یمن کا سُورما اور دوسری کہانیاں

قوم کے نونہالوں کے لیے دلچسپ، اصلاحی، تاریخی، اور معلوماتی کہانیوں کا مجموعہ

طالب الہاشمی

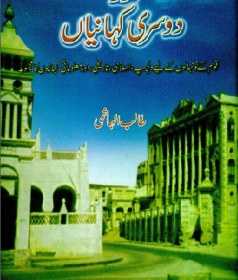

یمن کا سورما

اور

دوسری کہانیاں

قوم کے نونہالوں کے لیے دلچسپ' اصلاحی' تاریخی اور معلوماتی کہانیوں کا مجموعہ

طالب الہاشمی

طٰہٰ پبلی کیشنز

A-22 ملک جلال دین وقف بلڈنگ چوک اُردو بازار لاہور

دکان نمبر 17 سیکنڈ فلور مسلم سنٹر چیٹر جی روڈ اردو بازار لاہور

فون: 7231391 موبائل فون: 0333-4470509

اِس کتاب کا کوئی بھی حصہ طٰہٰ پبلی کیشنز/مصنف مرتب سے باقاعدہ تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جا سکتا' اگر اس قسم کی کوئی بھی صورتِ حال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے۔ (ادارہ)

22013
طال ۔ ی

طٰہٰ

جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ

مرتب	:	طالب الہاشمی
ناشر	:	محمد عفیف طٰہٰ
طبع اوّل	:	جون 2006ء
مارکیٹنگ منیجر	:	صغیر احمد مغل
کمپوزنگ	:	محمد لبیب جمیل
قیمت	:	70روپے
بیرون ملک	:	2امریکی ڈالر
پرنٹرز	:	میاں جمیل پریس' لاہور

ISBN 969 - 8810 - 13 - 7

ترتیب

نمبر شمار	عنوان	صفحہ

(الف) کہنے کی کچھ باتیں 5
(ب) سچی بات (نظم) 6
۱- درود پڑھنے کی برکتیں 7
۲- شوقِ شہادت کی انتہا 9
۳- کاروبار میں برکت کی دعا 11
۴- خوش نصیب بزرگ 13
۵- جو رسول اللہؐ کو ناپسند وہ سب کو ناپسند 15
۶- زیادہ سخی کون؟ 17
۷- یمن کا سُورما 22
۸- نقاب پوش مجاہد 35
۹- مجاہد سپہ سالار کی دعا اور قَسَم 37
۱۰- بے گناہ مجرم 41
۱۱- انسان کے اختیار کی حد 44
۱۲- بادشاہت سے درویشی اچھی 46

۱۳- اپنی تعظیم چاہنے والوں کا انجام 51

۱۴- تیسری صدی ہجری کا ایک عجیب واقعہ 52

۱۵- زمانے کی گردش 54

۱۶- خلیفہ کا انصاف 57

۱۷- ہائے دعوتِ شیراز 59

۱۸- قسمت کا دھنی 61

۱۹- درویش وزیراعظم 67

۲۰- استاد کا تھپڑ 72

۲۱- غریب بوڑھے کا بوجھ 74

۲۲- دوستی ہو تو ایسی ہو 76

۲۳- رمضان کے روزوں پر جانیں قربان کردیں 79

۲۴- ایسے بھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں 81

۲۵- قدرت کا کرشمہ (دو جڑواں سیامی بھائی) 84

۲۶- غلام پہلوان 88

۲۷- جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے 95

۲۸- پیارے رسولِ پاکؐ پر درود اور سلام 101

۲۹ کتابیات 103

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

کہنے کی کچھ باتیں

یہ کتاب اُن تاریخی، اصلاحی اور سوانحی کہانیوں کا تیسرا مجموعہ ہے جو نونہالانِ قوم کی تعمیر سیرت و کردار کے لیے طٰہٰ پبلی کیشنز لاہور کی طرف سے اب تک شائع کیے گئے ہیں۔ اس سے پہلے ''چاندی کی ہتھکڑی اور دوسری کہانیاں'' اور ''قسمت کا سکندر اور دوسری کہانیاں'' شائع ہو چکی ہیں۔ نونہالوں میں ان کتابوں کو جو مقبولیت حاصل ہوئی اس نے ہمیں یہ سلسلہ آگے بڑھانے کا حوصلہ عطا کیا۔ اس کتاب میں ۲۸ کہانیاں اور واقعات شامل ہیں۔ ان میں سے کچھ تاریخی ہیں، کچھ سوانحی اور کچھ معلوماتی یا اصلاحی۔ ہمیں امید ہے کہ ان کا مطالعہ اُن کتابوں سے کہیں مفید ثابت ہوگا جن میں محض بچوں کے دل بہلاوے کے لیے جِنّوں، بھوتوں، پریوں اور جادوگروں وغیرہ کی فرضی کہانیاں پیش کی گئی ہیں۔

احقر العباد

طالب الہاشمی

یکم دسمبر 2005ء

نوٹ: کتاب میں شامل بعض کہانیوں کے اختتامی صفحات پر کافی جگہ خالی رہ گئی تھی۔ اسے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ مقدسہ (احادیثِ نبویؐ) سے پُر کر دیا گیا ہے۔

سچّی بات

ہر دم سچی بات کرو نیکی ہی دن رات کرو
شمعِ ایمان کی لو سے روشن دل کی رات کرو
کڑوی بات سے لوگوں کے مت زخمی جذبات کرو
اچھے کاموں سے جگ میں اصلاحِ حالات کرو
محتاجوں مسکینوں کی پوری سب حاجات کرو
پاک کمائی سے مسلمؔ
بڑھ چڑھ کر خیرات کرو

(ابوالامتیاز ع س مسلمؔ)

دُرُود پڑھنے کی برکتیں

رسولِ پاک صَلّی اللہ عَلیہِ وَسَلَّم کے ایک پیارے ساتھی حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپؐ کا چہرہ چمک رہا ہے (یعنی آپ بہت خوش دکھائی دے رہے ہیں۔)

میں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! میں نے آج کی طرح آپ کو کبھی اتنا خوش، اس قدر کھلے ہوئے چہرے اور اتنی چمکدار پیشانی والا نہیں پایا۔''

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے ابوطلحہ! میں کیوں نہ راضی ہو جاؤں اور میرے چہرے سے میرا خوش ہونا کیوں ظاہر نہ ہو جبکہ جبرئیل ابھی میرے پاس سے گئے ہیں اور یہ کہہ کر گئے ہیں، اے محمدؐ آپ کی اُمّت میں سے جو کوئی آپ پر درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کے لیے دس نیکیاں لکھے گا اور اس کے دس گناہ مٹائے گا اور اس کے دس درجے اونچا کرے گا اور فرشتہ اس کے لیے وہی دعا کرے گا جو دعا اس نے درود کی صورت میں آپ کے لیے کی ہے۔''

میں نے پوچھا، وہ کون سا فرشتہ ہے؟

جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جب سے آپ کو پیدا کیا ہے اس وقت سے لے کر آج تک اور اس وقت تک جب آپ کو قیامت کے روز اٹھایا جائے گا' آپ کی امت کا جو آدمی آپ پر درود بھیجتا ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کو دعا دینے کے لیے ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے۔ وہ فرشتہ کہتا ہے وَاَنْتَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمْ (اور تجھ پر بھی اللہ تعالیٰ نے اس طرح درود بھیجا۔)

(طبرانی)

* * *

حدیث نبوی ﷺ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا' آپ نے ارشاد فرمایا:- تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بنا لو اور میری قبر کو میلہ نہ بنا لینا ہاں مجھ پر صلوٰۃ (درود) بھیجا کرنا' تم جہاں بھی ہو گے مجھے تمہاری صلوٰۃ پہنچے گی۔ (درود پہنچے گا۔)

(سنن نسائی)

شوقِ شہادت کی انتہا

۲ ہجری میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کے ساتھ غزوۂ بدر کے لیے مدینہ منوّرہ سے چلنے لگے تو آپ ؐ کے دو جاں نثاروں کے درمیان عجیب قسم کی تکرار ہوگئی۔ ان دو جاں نثاروں کے نام خیثمہؓ بن حارث اور سعد بن خیثمہ تھے۔ خیثمہ رضی اللہ عنہ باپ تھے اور سعد رضی اللہ عنہ بیٹے' دونوں کا تعلق مدینہ کے خاندان اَوس سے تھا۔ تکرار اس بات پر ہو رہی تھی کہ دونوں میں سے کون رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کافروں سے لڑنے کے لیے جائے۔ باپ (حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہ) بیٹے (حضرت سعد رضی اللہ عنہ) سے کہہ رہے تھے۔)

"بیٹا! گھر میں ہم دونوں کے سوا کوئی مرد نہیں ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ ہم دونوں میں سے ایک یہیں گھر میں رہے اور دوسرا جہاد میں شریک ہو' تم جوان ہو اور گھر کی اچھی طرح دیکھ بھال اور حفاظت کر سکتے ہو اس لیے تم یہیں رہو اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لیے جانے دو۔"

ان کے جواب میں بیٹے (حضرت سعدؓ) والد سے کہہ رہے تھے۔

"ابا جان! اگر شہادت اور شہادت کے بدلے میں جنت کے علاوہ کوئی اور معاملہ ہوتا تو مجھے گھر پر رہنے میں کوئی عذر نہ تھا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اتنی طاقت دی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھی ہونے کا حق پوری طرح ادا کرسکوں اس لیے آپ گھر پر رہیے اور مجھے جہاد پر جانے کی اجازت دیجیے۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرمائے۔''

لیکن باپ کا اصرار تھا کہ بیٹا گھر پر رہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جائیں۔

بڑی بحث اور تکرار کے بعد دونوں نے طے کیا کہ قرعہ ڈالتے ہیں جس کا نام قرعہ میں نکلے، وہ لڑائی پر جائے اور دوسرا گھر پر رہے۔ (ایک روایت یہ ہے کہ باپ حضرت خیثمہؓ نے قرعہ ڈالنے کی تجویز پیش کی جسے بیٹے نے منظور کرلیا۔)

قرعہ ڈالا گیا تو بیٹے (حضرت سعدؓ) کا نام نکلا۔ ان کو اس قدر خوشی ہوئی کہ قدم زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ والد بھی اب مجبور ہو گئے کہ گھر پر رہیں اور بیٹے کو جہاد کے لیے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے دیں۔ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر پہنچ گئے۔

لڑائی شروع ہوئی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس جوش اور جذبے کے ساتھ لڑے کہ جانبازی کا حق ادا کر دیا۔ دشمن کے ایک سوار نے ان کو اس طرح بے جگری سے لڑتے دیکھا تو اس نے تاک کر ان پر حملہ کیا۔ انھوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن دشمن گھوڑے پر سوار تھا اس کا وار کارگر ہو گیا اور وہ شہید ہو کر جنت میں پہنچ گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی دلی آرزو پوری کر دی۔

۳ ہجری میں غزوۂ احد پیش آیا تو شہیدِ بدر حضرت سعدؓ کے والد حضرت خیثمہ بن حارث رضی اللہ عنہ شہادت کی تمنا دل میں لیے اس میں شریک ہوئے اور بڑی بہادری سے لڑے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تمنا بھی پوری کر دی اور وہ ایک کافر ہبیرہ بن ابی وہب کے ہاتھ سے شہید ہو کر جنّت میں پہنچ گئے۔

کاروبار میں برکت کی دعا

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت عُروہ بن ابی الجعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن بکریوں کا ایک ریوڑ مدینہ آیا۔ اس ریوڑ کا مالک یہ بکریاں بیچنا چاہتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ریوڑ کو دیکھا تو مجھے ایک دینار دیا کہ ایک بکری خرید لاؤ۔ میں گیا اور ایک دینار میں ایک کے بجائے دو بکریاں خرید لیں۔ میں انھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے لا رہا تھا کہ راستے میں ایک شخص ملا۔ اس نے ایک بکری خریدنی چاہی۔ میں نے ایک بکری ایک دنیار میں اس کے ہاتھ بیچ ڈالی پھر ایک بکری اور ایک دینار لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

"یارسول اللہ! یہ ہے آپ کا دینار اور یہ ہے بکری جس کی آپ کو ضرورت تھی۔"

آپؐ نے (خوش ہوکر) پوچھا:

"یہ کیسے ہوا کہ تم بکری بھی لے آئے اور دینار بھی مجھے واپس کر دیا۔"

میں نے واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے مجھے اس طرح دعا دی۔

"اے اللہ! اس کے سودے میں برکت عطا فرما۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں کوفہ آباد ہوا تو حضرت عروہ بن ابی الجعد رضی اللہ عنہ کوفہ جا کر بس گئے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی

دعا نتیجہ یہ ہوا کہ میں کوفہ کے بازار میں تھوڑی دیر کام کرتا اور گھر جانے سے پہلے ۴۰ ہزار کا نفع کما لیتا۔ ایک روایت میں ان کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں کہ میں مٹی میں ہاتھ ڈالتا تو اس سے بھی نفع کما لیتا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عُروہ رضی اللہ عنہ کے مال میں اتنی برکت دی تھی کہ انھوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے اپنے گھر میں ستّر گھوڑے رکھے ہوئے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا گیا کہ آپ گھوڑے کے رخسار پر مسح کر رہے تھے (ہاتھ پھیر رہے تھے) اس کی نسبت آپ سے پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السّلام نے مجھے گھوڑے کی نسبت بہت تاکید کی ہے۔ (یعنی گھوڑے سے اچھا سلوک کیا جائے اور اسے پیار محبت سے رکھا جائے) کاروبار میں دیانت اور عقلمندی سے کام لیا جائے اور اللہ کے نیک بندوں سے برکت کے لیے دعا کرائی جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت پر یقین رکھنا چاہیے کہ وہ کاروبار میں برکت عطا کرے گا۔

* * *

خوش نصیب بزرگ

حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے رسولِ پاک ﷺ کے ایک بوڑھے صحابی تھے۔ وہ مدینہ منورہ سے دور ایک گاؤں کے رہنے والے تھے اور ان کا تعلق نجد میں آباد ایک قبیلے بنو عامر بن صعصعہ سے تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت قبیصہؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا:

''مرحبا اے قبیصہ! تم اب آئے جب تمہاری عمر زیادہ ہوگئی، تمہاری ہڈیاں پتلی ہوگئیں اور موت تمہارے قریب آ گئی۔''

حضرت قبیصہؓ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! اب میں آپ کی خدمت میں حاضر تو ہوا ہوں لیکن حاضر ہونے کی طاقت مجھ میں نہ تھی، میری عمر بہت زیادہ ہوگئی ہے اور میری ہڈیاں پتلی (کمزور) ہوگئی ہیں۔ موت کا وقت قریب ہے اور میں محتاج ہوں اور لوگوں کی نظر میں ذلیل ہوں، آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ مجھے کچھ تعلیم فرمائیں جس سے دنیا میں بھی اور موت کے بعد بھی مجھے فائدہ ہو اور آپ کی تعلیم اتنی ہو جسے میں یاد رکھ سکوں کیونکہ میں بڑھاپے کی وجہ سے بھول جانے کے مرض کا بھی شکار ہوں۔

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے قبیصہ! تم نے کیا کہا، ذرا پھر کہو۔''

حضرت قبیصہؓ نے وہی باتیں دہرائیں جو پہلے کہہ چکے تھے۔ رسولِ پاک ﷺ

نے فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ یہاں تمہارے گرد جس قدر درخت اور پتھر ہیں، سب تمہاری گفتگو سن کر رونے لگے۔''

ایک اور روایت میں یہ واقعہ حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ کی زبانی اس طرح بیان ہوا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا، اے قبیصہ! تجھے کون سی ضرورت میرے پاس لائی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری عمر زیادہ ہوگئی ہے، میری ہڈیاں پتلی پڑ گئی ہیں۔ میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ مجھے وہ بات سکھا دیں جس کے ذریعے اللہ مجھے نفع دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے قبیصہ! تیرا گزر جس پتھر، درخت کے پاس سے اور جس مٹی پر ہوا سب نے اللہ سے تیرے لیے بخشش طلب کی ہے۔ جب تو صبح کی نماز پڑھے تو تین مرتبہ کہہ لے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ اس کی برکت سے تو اندھے پن، کوڑھ اور فالج سے محفوظ رہے گا۔

* * *

جو رسولؐ اللہ کو ناپسند وہ سب کو ناپسند

۱۰ہجری میں یمن کے ضلع حضر موت سے اسّی آدمیوں کی ایک جماعت مدینہ مُنوَّرہ آئی۔ ان لوگوں کا تعلّق مشہور قبیلے بنوکندہ سے تھا۔ اس جماعت میں شامل سب لوگ اسلام قبول کر چکے تھے۔ ان کے سردار حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ اپنے علاقے کے حاکم تھے اور ان کے ساتھی بھی اعلیٰ حیثیت کے مالک تھے۔ ان کا مدینہ منورہ آنے کا مقصد رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنا تھا۔ یہ اصحاب تھوڑا ہی عرصہ پہلے مسلمان ہوئے تھے اور ان کو اس سادگی کا علم نہیں تھا جس کی اسلام تعلیم دیتا ہے چنانچہ وہ اس شان سے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے کہ سب نے ریشمی عبائیں جن پر سونے کے پتر منڈھے ہوئے تھے، پہن رکھی تھیں اور کندھوں پر ریشمی چادریں (یا یمنی چادریں جن کے کناروں پر ریشم لگا ہوا تھا) کندھوں پر ڈال رکھی تھیں۔ جب وہ مسجدِ نبویؐ میں پہنچ کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے انہیں دیکھ کر فرمایا:

"کیا تم اسلام نہیں لا چکے ہو؟"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال سن کر وہ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے کہ معلوم نہیں ہماری کون سی حرکت اللہ کے رسول ﷺ کو پسند نہیں آئی۔ وفد کے سردار حضرت اشعث بن قیس نے عرض کیا:

یارسول اللہ! ہم سب اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسلام کی نعمت حاصل کر چکے ہیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"پھر یہ ریشم اور سونا کیسا؟"

اب ان اصحاب کو معلوم ہو گیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کس شے کو پسند نہیں کیا۔ ان سب نے اسی وقت عبائیں اتار ڈالیں اور چادریں پھاڑ پھاڑ کر یہ کہتے ہوئے زمین پر ڈال دیں۔ "جو شے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں وہ ہمیں بھی پسند نہیں۔"

* * *

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپؐ فرماتے تھے:۔ جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی' اس نے شرک کیا' اور جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا' اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ خیرات کیا اس نے شرک کیا۔ (مسند احمد)

زیادہ سخی کون؟

ہمارے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بخل یعنی کنجوسی اور تنگ دِلی کو بہت بری عادت قرار دیا ہے۔ اس لیے آپ ؐ کے ساتھی (صحابہؓ) خواہ وہ غریب تھے یا امیر سبھی بڑے دریا دل تھے اور اللہ کی راہ میں اپنی ضرورتیں چھوڑ کر بھی خرچ کرنے سے نہیں ہچکچاتے تھے۔ ان میں سے بعض تو حد سے زیادہ سخی تھے اور دوسروں کے لیے ان کی برابری کرنا بہت مشکل تھا۔ ایسے صحابہؓ میں یہ تین حضرات بہت مشہور تھے:

۱۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما

یہ رسول اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے۔ ان کے دروازے سے کبھی کوئی سوالی خالی ہاتھ نہ جاتا تھا۔

۲۔ حضرت قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہما

یہ مدینہ منورہ کے قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے فرزند تھے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بھی بڑے سخی تھے اور سینکڑوں لوگ ان کے دسترخوان پر پلتے تھے۔ اسی طرح حضرت قیسؓ بھی حد سے زیادہ سخی تھے جو حاجت مند ان سے سوال کرتا، اس کی مدد اس کی حاجت سے بڑھ کر کرتے تھے۔

۳۔ حضرت عرابہ بن اَوس انصاری رضی اللہ عنہ

یہ مدینہ مُنَوَّرہ کے قبیلہ اَوس کے سرداروں میں سے تھے۔ انتہا درجے کے سخی

تھے۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ کوئی حاجت مند ان کے دروازے پر آئے اور اس کی حاجت پوری نہ ہو۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ تینوں اصحاب سخاوت میں ایک دوسرے کی ٹکر یا ایک دوسرے سے بڑھ کر سمجھے جاتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مدینہ مُنَوَّرہ میں چند دوست ایک جگہ بیٹھے تھے کہ ان کے درمیان اس بات پر بحث چھڑ گئی کہ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ حضرت قیسؓ بن سعدؓ اور حضرت عرابہؓ بن اَوس میں سب سے زیادہ سخی کون ہے۔ ہر ایک کی رائے جدا جدا تھی۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ ایک ایک آدمی ان تینوں اصحاب میں سے ان کے پاس جائے جن کو وہ زیادہ سخی سمجھتا ہے، وہ ان سے کچھ مانگے پھر جو کچھ ان سے ملے وہ اس مجلس میں آ کر بتائے۔ اس فیصلے کے مطابق تین اشخاص ان تینوں کے پاس گئے اور جو سلوک ان کے ساتھ ہوا، اس کا حال انہوں نے یوں بیان کیا۔

جو شخص حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے پاس گیا، اس نے عرض کیا:
"میں مسافر ہوں، راستے کا خرچ ختم ہو گیا ہے۔ آپ سے مدد کی درخواست ہے۔"

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما اس وقت گھوڑے پر سوار کہیں جانے کے لیے تیار تھے۔ مسافر کی درخواست سن کر اسی وقت گھوڑے سے اترے اور گھوڑے کی باگ مسافر کے ہاتھ میں دے کر فرمایا: بھائی گھوڑے کی رکاب میں پاؤں رکھو اور اس پر سوار ہو جاؤ، اب اس گھوڑے کے مالک تم ہو اور اس کے زین کے ساتھ ایک تھیلی بھی ہے، اس میں جو کچھ ہے، وہ بھی تمہارا ہے۔ جب وہ گھوڑے پر سوار ہو گیا تو اس کو ایک تلوار بھی عنایت فرمائی اور اسے بتایا کہ یہ میرے دادا حضرت علی اسد اللہ الغالب رضی اللہ عنہ کی تلوار ہے اسے سنبھال کر رکھنا۔

جب وہ گھوڑا لے کر واپس مجلس میں پہنچا اور تھیلے کو کھولا گیا تو اس میں چار ہزار دینار اور قیمتی عمدہ چادریں تھیں۔ ان کے علاوہ شیرِ خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار بھی حضرت عبداللہؓ کا عطیہ تھی۔

دوسرا شخص حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کے گھر گیا تو وہ سوئے ہوئے تھے۔ ان کی کنیز نے پوچھا' تم کس غرض سے حضرت قیسؓ سے ملنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا' مسافر ہوں اور راستے کا خرچ (زادِراہ) ختم ہو گیا ہے۔

کنیز نے کہا' تمہاری اس معمولی ضرورت کے لیے حضرت قیس کو جگانا مناسب نہیں۔ پھر وہ اندر جا کر ایک تھیلی لائی اور اسے سائل کو تھماتے ہوئے کہا:

''اس میں سات سو دینار ہیں۔ اس وقت حضرت قیس کے گھر میں اتنی ہی رقم ہے۔ (دینار سونے کا ایک قیمتی سکہ ہوتا ہے) گھر کے ساتھ کی حویلی میں اونٹ بندھے ہوئے ہیں ان میں سے اپنی مرضی کا ایک اونٹ پسند کر لو' وہاں حضرت قیس کا ایک غلام بھی موجود ہے اسے بھی اب اپنا غلام سمجھو اب اس غلام کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر اپنے سفر پر روانہ ہو جاؤ۔ مجھے حضرت قیس نے لوگوں کی ایسی معمولی حاجتیں پوری کرنے کا پورا اختیار دے رکھا ہے۔''

جب سائل چلا گیا تو کچھ دیر کے بعد حضرت قیسؓ نیند سے بیدار ہو گئے۔ لونڈی نے سارا قصہ بیان کیا تو انہوں نے فرمایا:

''معلوم نہیں تم نے جو کچھ اس مسافر کو دیا ہے اس سے اس کی حاجت پوری ہو گئی ہے یا نہیں لیکن میرا قیاس ہے کہ جو کچھ اس کو ملا اس سے وہ خوش ہو گیا کیونکہ اس نے میرے جاگنے کا انتظار نہیں کیا اور اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔ تم نے جو نیک کام کیا' اس کے بدلے میں آج

سے تم آزاد ہو۔"

ادھر وہ شخص اونٹ دیناروں کی تھیلی اور غلام کے ساتھ دوستوں کی مجلس میں پہنچ گیا۔

تیسرا شخص حضرت عرابہ بن اوس انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا۔ ان دنوں حضرت عرابہؓ بہت بوڑھے' نابینا اور کمزور ہو چکے تھے اور نماز کے لیے دو غلاموں کے سہارے مسجد میں جایا کرتے تھے۔ اس وقت حضرت عرابہ دو غلاموں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے نماز کے لیے مسجد کی طرف جا رہے تھے۔ اس شخص نے ان کو سلام کیا اور کہا:

"اے عرابہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی! آپ میری بات سنیں گے۔"

حضرت عرابہؓ نے فرمایا:

"کہو کیا کہتے ہو؟"

"میں ایک مسافر ہوں اور میرا راستے کا خرچ ختم ہو گیا ہے' آپ کے پاس مدد کے لیے حاضر ہوا ہوں۔"

یہ سن کر حضرت عرابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ غلاموں کے کندھوں سے ہٹائے اور بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر زور سے مار کر فرمایا:

"عرابہ نے اپنا تمام مال اللہ کے راستے میں خرچ کر دیا ہے۔ یہ دو غلام باقی رہ گئے ہیں' تم ان کو لے جاؤ' اب یہ تمہارے حوالے ہیں۔"

سائل نے کہا:

"حضرت آپ کو تو خود ان کی سخت ضرورت ہے' میں انہیں نہیں لوں گا۔"

حضرات عرابہؓ نے فرمایا:

''میں ان کو تمہارے حوالے کر چکا' اب یہ تمہارے ہیں۔ اگر تم چاہو تو انہیں آزاد کر دو اور چاہو تو اپنے پاس رکھو۔ یہ فرما کر وہ دیوار کا سہارا لے کر آگے بڑھے اور ٹٹولتے ہوئے مسجد کی طرف چل دیے۔''

وہ شخص ان غلاموں کو ساتھ لے کر مجلس میں پہنچ گیا۔

ایک مقررہ دن کو سب دوست اکٹھے ہوئے اور ان کی اس مجلس میں تینوں آدمی جن کو انہوں نے سائل بنا کر تینوں بزرگوں کے پاس بھیجا تھا' حاضر ہوئے اور ہر ایک نے اپنے ساتھ ہونے والے سلوک کا حال سنایا تو سب عش عش کر اٹھے اور تینوں بزرگوں کے بارے میں کہا کہ تینوں بہت سخی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ ان تینوں میں اس وقت سخاوت کے لحاظ سے سب سے زیادہ سخی کسے کہا جائے تو وہ حضرت عرابہؓ ہیں کہ انہوں نے اپنا سب کچھ اللہ کے راستے میں دے دیا۔

یہ تو ایک خاص واقعہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں بزرگ بے انتہا سخی تھے۔ وہ سخاوت میں ایک دوسرے کا مقابلہ نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ کو راضی کرنے کی خاطر حاجت مندوں کی حاجتیں پوری کرنے کے لیے ان سے جو کچھ بھی ہو سکتا تھا' کر گزرتے تھے۔

❀ ❀ ❀

یمن کا سُورما

حضرت عمرو بن معدی کرب زبیدی کا شمار اسلامی تاریخ کے نامور بہادروں اور شہسواروں (گھوڑے پر سواری کے ماہروں) میں ہوتا ہے۔ (عمرو میں "ع" پر زبر ہے "م" اور "ر" ساکن ہیں۔ واؤ نہیں پڑھی جاتی) وہ یمن میں آباد عرب قبیلے مذحج کی ایک شاخ بنی زبید سے تعلّق رکھتے تھے اس لیے زبیدی کہلاتے تھے۔ وہ بڑے ڈیل ڈول اور قد کاٹھ کے آدمی تھے۔ تلوار چلانے اور نیزہ بازی میں بہت کم لوگ ان کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ وہ اتنے طاقتور اور شہزور تھے کہ لوگ ان کو ہزار بہادر شہسواروں کے برابر مانتے تھے۔ بہادر ہونے کے علاوہ وہ ایک اونچے درجے کے شاعر بھی تھے اور جوشیلی تقریریں کرنے کا فن بھی انہیں خوب آتا تھا لیکن عجیب بات ہے کہ اتنی خوبیوں کے ہوتے ہوئے بھی انہوں نے جاہلیّت کے زمانے میں ڈاکا زنی کو اپنا پیشہ بنا رکھا تھا۔ مختلف قبیلوں پر چھاپے مارنا اور راہ جاتے قافلوں اور مسافروں کو لوٹ لینا ان کا آئے دن کا کام تھا۔ عرب میں ان کا نام دہشت کا نشان بن گیا تھا اور کمزور دل کے لوگ ان کا نام سن کر کانپ اٹھتے تھے۔ ان کی زندگی ایسے ہی گزر رہی تھی کہ یمن کے پڑوسی ملک عرب میں انقلاب برپا ہو گیا۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی ہدایت کے لیے بھیجا۔ آپ تیرہ سال تک مکہ کے لوگوں کو اللہ کے سچّے دین اسلام کی طرف بلاتے رہے۔ پھر آپ اسلام قبول کرنے والے اپنے ساتھیوں کے

ساتھ مکّہ سے ہجرت فرما کر (تقریباً تین سَو میل دور) مدینہ تشریف لے گئے۔ وہاں کے لوگوں نے جاں نثاری کا حق ادا کر دیا اور آخری دم تک آپ کی اطاعت اور حمایت کا عہد کیا۔ وہیں آپ نے ایک اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ کافروں نے مسلمانوں کو سازشوں اور لڑائیوں کے ذریعے نقصان پہنچانے کی بار بار کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلام کے دشمنوں کو ذلیل و خوار کیا یہاں تک کہ ۸ سنہ ہجری میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ بھی فتح کر لیا۔ اب نہ صرف مکّہ کے سب لوگ مسلمان ہو گئے بلکہ سارے عرب میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔ ۹ اور ۱۰ ہجری میں نہ صرف عرب کے گوشے گوشے سے بلکہ پڑوسی ملکوں سے بھی مختلف قبیلوں کے وفد دھڑا دھڑ مدینہ آ کر رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرنے کی عزت حاصل کی۔ وفد کے معنی ہیں کسی ایک مقصد کے لیے (کسی قبیلے کی طرف سے) بھیجے جانے والی جماعت یا ایسے لوگ جن کو کوئی قبیلہ یا کسی مقام کے لوگ اپنے نمایندے (یعنی ان کی طرف سے گفتگو کرنے والے) کسی خاص مقصد کے لیے کسی حاکم یا ملک کے سربراہ کے پاس بھیجیں۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مختلف قبیلوں کے جو نمایندے اسلام قبول کرنے یا دین کے احکام سیکھنے کے لیے حاضر ہوئے' ان کو وفود (وفد کی جمع) کہا جاتا ہے۔ ۱۰ ہجری میں ایک وفد یمن سے بھی مدینہ آیا۔ اس وفد میں عمرو بن معدی کرب بھی شامل تھے۔ اس وفد کے سب لوگوں نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا اور مسلمان ہو کر وطن واپس گئے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عمرو بن معدی کرب نے ڈاکا زنی تو چھوڑ دی لیکن ان کو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ عرصہ ٹھہر کر دین کی

تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہ ملا۔ اس لیے وطن واپس جا کر ان سے ایک بھول یا غلطی ہوگئی۔ ہوا یوں کہ یمن میں ایک شخص اسود عنسی نے نبی ہونے کا جھوٹا دعوٰی کیا تھا اور مختلف قبیلوں کے ہزاروں سادہ لوح لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ حضرت عمرو بھی اس کے قریب میں آ گئے اور اس کے ساتھ مل گئے۔ اسود عنسی نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کیے ہوئے حاکموں (عاملوں) کو یمن سے نکلنے پر مجبور کر دیا تاہم یمن کے ایک مسلمان مجاہد فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے رات کو اسود عنسی کے گھر میں گھس کر اس کو قتل کر ڈالا۔ اس واقعہ کے پانچ دن بعد رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وفات پا گئے۔

اسود عنسی کے قتل کے بعد عمرو بن معدی کرب نے ایک اور قبائلی سردار قیس بن عبدِ یغوث کے ساتھ مل کر یمن کے مرکزی شہر صنعا پر قبضہ کر لیا۔ ادھر مدینہ میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں نے حضرت ابوبکر صِدّیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چن لیا۔ انھوں نے ان تمام علاقوں کی طرف اسلامی لشکر بھیجے جہاں کے لوگ اسلام سے پھر گئے تھے اور اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ ان میں ایک لشکر یمن کی طرف بھی گیا۔ اس لشکر نے یمن کے مسلمان رئیسوں کے ساتھ مل کر صنعا پر چڑھائی کی اور اسے عمرو بن معدی کرب اور قیس بن عبد یغوث سے چھین لیا۔ ان دونوں نے صنعا سے بھاگ کر ایک اور لشکر تیار کر لیا۔ اس لشکر کو حضرت مہاجر بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کے ساتھ یمن پہنچ کر شکست دی اور عمرو بن معدی کرب اور قیس بن عبدِ یغوث دونوں کو گرفتار کر کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ منورہ بھیج دیا۔

عمرو بن معدی کرب کو حضرت ابوبکر صِدّیق رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا تو انھوں نے عمرو کو سخت ملامت کی اور فرمایا:

''تم کو شرم نہیں آتی کہ مارا مارا پھرتا ہے اور گرفتاری کی ذلت اٹھاتا ہے۔ اگر دین کی حمایت کرتا تو اللہ تعالیٰ تم کو بلند مرتبہ عطا کرتا۔''

عمرو بن معدی کرب سخت شرمندہ ہوئے اور ندامت سے سر جھکا کر عرض کیا:

''اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ! جو ہو چکا سو ہو چکا' مجھے معاف فرما دیجیے۔ اب میں توبہ کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہتا ہوں اور سچے دل سے عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی اسلام سے منہ نہ موڑوں گا۔''

قیس بن عبدِ یغوث نے بھی اسی طرح اپنے کیے پر ندامت کا اظہار کیا اور معافی چاہی۔ حضرت ابوبکر صِدّیق رضی اللہ عنہ نے دونوں کو معاف فرما دیا۔

توبہ کے بعد حضرت عمروؓ بن معدی کرب اسلام کے ایسے جانباز سپاہی بن گئے جو ہر وقت اپنی جان ہتھیلی پر رکھے اسے اللہ کی راہ میں قربان کے لیے تیار رہتا ہو۔

حضرت عُمَر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں حضرت عمروؓ نے شام اور ایران کی جنگوں میں بھرپور حصہ لیا۔ انہوں نے شام میں رومیوں کو اور ایران میں مجوسی (آتش پرستوں یا آگ پوجنے والے) جنگجوؤں کو لوہے کے چنے چبوا دیے اور کئی شاندار کارنامے انجام دیے۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد ہی کرتے ہوئے اس دنیا سے شہادت کا درجہ پا کر رخصت ہوئے۔ یہاں ان کے چند جنگی کارناموں کا مختصر حال بیان کیا جاتا ہے۔

شام کی جنگوں میں یَرمُوک کی جنگ نہایت خونریز اور شام میں لڑی جانے والی لڑائیوں میں سب سے سخت لڑائی تھی۔ قیصرِ روم (روم کے بادشاہ) نے مسلمانوں کے خلاف اپنی پوری طاقت اس لڑائی میں جھونک دی تھی۔ کئی لاکھ رومی فوج کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد کئی گنا کم تھی لیکن وہ اپنی ایمانی قوت کے

بل پر رومیوں کے خوفناک لشکر کے ساتھ اس شان سے لڑے کہ اس کا منہ پھیر دیا۔ اسلامی لشکر میں حضرت خالد بن ولید' حضرت ضرار بن ازور اور حضرت عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہم جیسے بہادروں نے اکیلے اکیلے بھی رومیوں پر ایسی ضربیں لگائیں کہ ان کی کمر ٹوٹ گئی۔ ایک موقع پر جب لڑائی کا تنور پوری طرح گرم تھا اور حضرت عمرو بن معدی کرب رومیوں کی لاشوں پر لاشیں گرا رہے تھے' ایک بھاری بھرکم قوی ہیکل رومی نے حضرت عمروؓ پر حملہ کیا' حضرت عمروؓ نے اس کا وار خالی دیا اور اپنی تلوار کا اس پر ایسا بھرپور وار کیا کہ وہ آناً فاناً ہلاک ہو گیا اب ایک اور رومی جنگجو ان کی طرف بڑھا' انھوں نے اس کو بھی قتل کر ڈالا پھر جب رومی شکست کھا کر بھاگے تو حضرت عمروؓ نے دور تک ان کا پیچھا کیا اور جو بھی ان کی تلوار یا برچھی کی زد میں آ گیا' اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد وہ اپنے خیمے کی طرف واپس آئے' گھوڑے سے اتر کر بڑے بڑے طشت منگوائے اور اپنے آس پاس کے لوگوں کو کھانے کی دعوت دی۔

یرُموک کی لڑائی کے علاوہ حضرت عمروؓ بن معدی کرب قادسیہ کی خونریز جنگ میں بھی دشمن کے خلاف جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑے اور اپنی بہادری کی دھاک بٹھا دی۔ یہ لڑائی عراقِ عرب کی سب سے سخت لڑائی تھی۔ اس میں ایرانی لشکر کا سپہ سالار ایران کا ایک نامی بہادر رستم بن فرخ زاد تھا۔ اس کے ساتھ قریباً دو لاکھ ایرانی جنگجو اور تین سو جنگی ہاتھی تھے۔ اس کے مقابلے میں اسلامی فوج کی تعداد چالیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ ان میں حضرت عمروؓ بن معدی کرب اور کئی دوسرے عرب شہسوار شامل تھے۔ اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے ایرانیوں کی فوجی قوت اور جنگی تیاریوں کا حال امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کو لکھ بھیجا اور ان سے مدد بھیجنے کی درخواست کی۔ اس کے جواب

میں امیر المومنین نے حضرت سعدؓ کو جو خط بھیجا اس میں دوسری بہت سی ہدایتوں کے علاوہ یہ بھی لکھا:

''تمہارے لشکر میں مالک بن عوف' حنظلہ بن ربیعہ' طلیحہ بن خویلد' عمرو بن معدی کرب اور ان جیسے دوسرے عرب شہسوار ایسے جانباز مجاہد ہیں جن کے دلوں میں ثواب اور جہاد کی پرزور لگن ہے۔ اللہ پر بھروسا کرو اور اسی سے مدد مانگو۔''

لڑائی شروع ہونے سے پہلے حضرت سعدؓ نے اپنے چند نمایندے (جن میں حضرت عمروؓ بن معدی کرب بھی شامل تھے) شاہ ایران یزدجرد (کسرٰی) کے پاس بھیجے اور اس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی مگر اس نے یہ دعوت بڑی حقارت سے رَدّ کر دی۔ لڑائی شروع ہوئی تو سب سے پہلے ایرانی لشکر کی طرف سے ایک نامی تیرانداز ریشمی قبا پہنے' سنہری پیٹی باندھے اور ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے میدان میں نکلا اور مسلمانوں کو مقابلے کے لیے للکارا۔ اس کے مقابلے کے لیے حضرت عمروؓ بن معدی کرب نکلے۔ اس نے تیر کمان میں جوڑا اور تاک کر حضرت عمروؓ کو مارا مگر وہ بال بال بچ گئے۔ اب وہ اپنا گھوڑا دوڑاتے ایرانی تیرانداز کے قریب پہنچ گئے اور پلک جھپکنے میں اس کی پیٹی میں ہاتھ ڈال کر اس کو زمین پر دے مارا پھر تلوار سے اس کا سر کاٹ کر ایرانی لشکر کی طرف پھینک دیا اور اپنی فوج کی طرف منہ کر کے کہا کہ یوں لڑا کرتے ہیں۔ اسلامی لشکر کی طرف سے شاباش کے نعرے بلند ہوئے اور لوگوں نے کہا ہر شخص عمرو بن معدی کرب کیونکر ہوسکتا ہے۔

جب گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی اور دونوں فوجیں ایک دوسرے کے ساتھ گتھ گئیں تو حضرت عمروؓ بن معدی کرب اپنی فوج کی صفوں میں چکر لگانے

لگے اور مجاہدوں کو اس طرح جوش دلانے لگے۔

''اے مجاہدو! تم لوگ تند شیر بن جاؤ اور دشمن کو بھیڑ سمجھ کر اس پر جھپٹ پڑو۔''

اتنے میں ایک ایرانی نے ان کو تیر مارا جوان کی کمان کے کونے میں لگا اس پر حضرت عمروؓ بن معدی کرب بجلی کی سی تیزی سے اس کی طرف بڑھے اور اسے ایسا نیزہ مارا کہ اس کی پیٹھ کے پار نکل گیا۔ پہلے دن کی لڑائی رات کا اندھیرا پھیلنے تک جاری رہی۔ دوسرے دن بھی صبح سے لے کر شام تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی۔ حضرت عمروؓ بن معدی کرب نے ان دو دنوں میں بے شمار ایرانیوں کو قتل کیا۔ تیسرے دن ایرانیوں نے لڑائی شروع ہوتے ہی اپنے جنگی ہاتھیوں کو اسلامی فوج کی طرف بڑھایا۔ ہاتھیوں کے دائیں بائیں ایرانی فوج کی پیدل صفیں تھیں۔ حضرت عمروؓ بن معدی کرب نے مسلمانوں کو خطرے میں دیکھا تو اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں سامنے کے ہاتھی پر حملہ کرتا ہوں' تم میرے ساتھ رہنا ورنہ عمرو بن معدی کرب مارا گیا تو پھر عمرو بن معدی کرب پیدا نہ ہوگا۔ یہ کہہ کر تلوار سونت کر سامنے کے ہاتھی پر حملہ کیا مگر ایرانیوں کی پیدل صفیں ان پر ٹوٹ پڑیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمروؓ کے ساتھی مجاہدین بھی آگے بڑھے اور ایرانیوں کے حملے کو پوری طاقت سے روکا۔ اس وقت اتنی گرد اڑی کہ حضرت عمروؓ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ مسلمان مجاہدین نے سخت لڑائی کے بعد ایرانیوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ اس وقت حضرت عمروؓ بن معدی کرب کا یہ حال تھا کہ سارا جسم خاک سے اٹا ہوا تھا اور بدن پر برچھیوں کے بے شمار زخم تھے مگر وہ برابر تلوار چلائے جا رہے تھے۔ اتنے میں ایک ایرانی سوار برابر سے نکلا۔ انھوں نے اس کے گھوڑے کی دم پکڑ لی۔ اس نے بار بار گھوڑے کو دوڑانے کی کوشش کی مگر اس زخمی حالت میں بھی

حضرت عمروؓ کی طاقت کا یہ حال تھا کہ گھوڑا اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔ آخر اس کا سوار اس کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اتنے میں بہت سے تازہ دم مجاہد حضرت عمروؓ کی مدد کے لیے آ پہنچے اور ان سب نے مل کر ہاتھیوں پر اس انداز سے حملہ کیا کہ وہ زخمی ہو کر پیچھے کی طرف بھاگ گئے۔

تیسرے دن کی اس لڑائی میں ایرانیوں کا سپہ سالار ایک مجاہد کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایرانی لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے دور تک ان کا تعاقب کیا اور بے شمار لاشیں میدان میں بچھا دیں۔

اس فتح کے بعد حضرت سعد بن ابی وقّاص رَضِیَ اللہُ عَنہُ نے برس' بابل' کوثی اور بہر شیر کو فتح کیا اور پھر دریائے دجلہ کو عبور کر کے ایران کے دارالحکومت مدائن میں جا داخل ہوئے۔ شاہ ایران یزدجرد اپنا خزانہ سمیٹ کر وہاں سے بھاگ گیا۔ حضرت عمروؓ بن معدی کرب ان ساری فتوحات میں حضرت سعدؓ بن ابی وقّاص کے ساتھ ساتھ رہے اور ہر معرکے میں بڑی شان سے لڑے۔

ایک دفعہ حضرت عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ حضرت عمرِؓ فاروقؓ کے زمانۂ خلافت میں مدینہ منورہ آئے اور امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے جہاد کے میدان میں جو کارنامے انجام دیے تھے' ان کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے بڑے قدردان تھے۔ وہ ان سے بڑی محبت اور تپاک سے ملے اور دیر تک ان سے باتیں کرتے رہے۔ باتوں باتوں میں جاہلیت کے زمانے کا ذکر آ گیا۔ امیر المؤمنین نے ان سے پوچھا' اسلام قبول کرنے سے پہلے تمھیں ہر قسم کے آدمیوں سے واسطہ پڑا ہوگا' یہ تو بتاؤ تم نے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ بزدل' سب سے زیادہ مکار اور سب سے زیادہ بہادر کس کو پایا؟

حضرت عمروؓ بن معدی کرب نے عرض کیا:

امیر المومنین! مجھے اپنی زندگی میں ہر قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑا ہے۔ ان میں ایسے آدمی بھی تھے جن کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ ان سے مجھے جس طرح واسطہ پڑا' وہ میں عرض کرتا ہوں۔

''جاہلیت کے زمانے میں'' یعنی اسلام قبول کرنے سے پہلے) میری زندگی ڈاکا زنی اور مار دھاڑ میں گزرتی تھی کبھی اس قبیلے پر حملہ کبھی اس قبیلے پر چھاپا' میرے خاندان کی گزر بسر اسی طرح ہوتی تھی۔ میری بہادری' بے خوفی اور شہزوری ایسی مشہور ہو گئی تھی کہ میرا نام سن کر اکثر لوگ کانپ اٹھتے تھے اور کسی کو میرا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ ایک دن میں ڈکیتی کے لیے گھر سے نکلا۔ ایک جگہ دیکھا کہ ایک گھوڑا کھڑا ہے اور اس کے قریب زمین میں نیزہ گڑا ہوا ہے اور پاس ہی ایک شخص زمین پر بیٹھا ہے۔ میں لپک کر اس شخص کے قریب پہنچا اور للکار کر کہا' سنبھل جا کر تیرا قاتل آ پہنچا۔

اس نے پوچھا پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟

میں نے کہا' عمرو بن معدی کرب زبیدی

یہ سنتے ہی وہ شخص سہم کر زمین پر گر پڑا' دیکھا تو وہ مر چکا تھا۔ امیر المومنین! یہ شخص مجھے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ بزدل نظر آیا۔

اب جسے میں نے سب سے زیادہ مکار پایا' اس کا حال سنیے۔

ایک دفعہ میں کسی شکار کی تلاش میں نکلا۔ ایک مقام پر دیکھا کہ ایک گھوڑا کھڑا ہے۔ اس کے برابر زمین میں نیزہ گڑا ہے اور ایک شخص دور بیٹھا ہوا پیشاب کر رہا ہے۔ میں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس کے پاس جا کر بلند آواز سے کہا' سنبھل جا کہ تیرا قاتل آ پہنچا۔ اس شخص نے لاپروائی سے کہا۔

کیا سچ مچ تم مجھ سے لڑو گے؟

میں: ہاں بس یوں سمجھو کہ میری تلوار تیرا کام تمام کیا چاہتی ہے۔

وہ: ہوں...... تم ہو کون؟

میں: عمرو بن معدی کرب زبیدی

وہ: اچھا تو تم عمرو بن معدی کرب ہو' لیکن جو کچھ تم کر رہے ہو' یہ بہادروں کا طریقہ نہیں۔

میں: کیوں؟

وہ: میں پیادہ اور تم سوار اگر مرد ہو تو قسم کھاؤ کہ جب تک میں گھوڑے پر سوار ہو کر ہتھیار نہ سنبھال لوں مجھ سے نہیں لڑو گے۔

میں نے قسم کھائی کہ جب تک وہ سوار نہ ہو لے گا' میں اس سے ہرگز نہ لڑوں گا۔ میرے قسم کھاتے ہی وہ شخص اٹھا اور گھوڑے کے قریب آ کر اطمینان سے زمین پر بیٹھ گیا۔

میں: یہ کیا؟

وہ: نہ میں گھوڑے پر سوار ہوں گا اور نہ میں تم سے لڑوں گا۔ اگر تم نے اپنی قسم توڑی اور مجھ پر حملہ کیا تو سارے عرب میں عہد توڑنے والے بزدل کے لقب سے مشہور ہو جاؤ گے۔

اے امیر المؤمنین! میں اب مجبور ہو گیا کہ اسے چھوڑ کر اپنا راستہ لوں۔ اس شخص سے بڑھ کر مکار میں نے اپنی زندگی میں کسی کو نہیں دیکھا۔

اب اس کا حال سنیے جس کی بہادری اور حوصلہ مندی کو میں زندگی بھر نہ بھلا سکوں گا۔

ایک دن میں ڈاکا زنی کے لیے صحرا میں جا رہا تھا کہ مجھے ایک خوبصورت نوجوان نظر آیا۔ وہ گھوڑے پر سوار میری طرف آ رہا تھا۔ میرے قریب آ کر اس

نے سلام کیا۔ میں نے سلام کا جواب دیا اور اس سے پوچھا: تم کون ہو؟

نوجوان: میرا نام حارث بن سعد ہے۔

میں: ہوشیار ہو جا' تیرا قاتل آ پہنچا۔

حارث: کم بخت! تو کون ہے؟

میں: عمرو بن معدی کرب زبیدی

حارث: وہی حقیر اور ذلیل ڈاکو؟ خدا کی قسم صرف یہ سمجھ کر چھوڑ رہا ہوں کہ تجھ جیسے ذلیل آدمی پر کیا ہاتھ اٹھاؤں۔

امیر المؤمنین! حارث کے منہ سے یہ الفاظ سن کر میں دل میں سخت شرمندہ ہوا لیکن مجھے سخت غیرت بھی آئی اور میں نے گرج کر کہا:

''اب یہ باتیں رہنے دے اور سنبھل جا' میں قسم کھاتا ہوں کہ اب اس میدان سے ہم میں سے ایک ہی شخص زندہ بچ کر جا سکتا ہے۔''

حارث: میں تجھ سے پھر کہتا ہوں کہ اپنی جان بچا کر چلا جا' میں اس گھرانے سے ہوں جس میں سے کسی پر آج تک کوئی شخص غالب نہیں آ سکا۔

میں: میں بھی ویسا ہی ہوں۔

حارث: اچھا تو بتا' تجھے کیا پسند ہے' پہلے میں وار کروں یا تو کرے گا؟

میں: میں ہی حملہ کرتا ہوں' سنبھل

یہ کہہ کر میں نے اپنی پوری طاقت سے اس کو نیزہ مارا۔ مجھے یقین تھا کہ میرا نیزہ اس کی پیٹھ توڑ کر نکل گیا ہوگا مگر اس نے اپنے گھوڑے پر جھک کر ایسی خوبصورتی سے میرا وار خالی دیا کہ میں حیران رہ گیا۔ اب اس نے اپنے نیزے سے میرے سر کو ہلکا سا کچوکا دیا اور کہا:

''اے عمرو! یہ میرا پہلا وار ہے۔ اگر تجھ جیسے ذلیل شخص کو قتل کرنا میں

اپنی ذلت نہ سمجھتا تو یہ نیزہ تیرے سر کے پار ہو گیا ہوتا۔"

امیر المؤمنینؓ! یہ جملہ سن کر میں نے اپنے آپ کو اتنا حقیر محسوس کیا کہ موت زندگی سے پیاری معلوم ہونے لگی۔ میں نے بڑے جوش سے حارث پر اپنے نیزے سے دوسرا وار کیا مگر اس نے بڑی صفائی سے یہ وار بھی خالی دیا اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ میرے سر میں اپنے نیزے سے یہ کہہ کر کچوکا دیا۔ یہ دوسری مرتبہ ہے کہ تجھے چھوڑ دیا ہے۔

اب تو میں ذلت کے دریا میں غرق ہو گیا اور جھلا کر اس پر تیسرا وار کیا۔ اس دفعہ وار خالی دیتے وقت وہ گھوڑے کی پیٹھ سے زمین پر گر گیا۔ میں نے خیال کیا کہ بس اب یہ میرے قابو میں آ گیا مگر دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پلک جھپکنے کی دیر میں زمین سے اٹھ کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اپنے نیزے سے میرے سر کو تیسرا کچوکا دے کر چلایا۔ اب یہ تیسری بار ہے کہ تجھے ذلیل سمجھ کر چھوڑا ہے۔

میں: نہیں تو مجھے قتل ہی کر ڈال تاکہ عرب کے سواروں کو میری ذلت کی خبر نہ پہنچے۔

حارث: اے عمرو! قصور تین ہی بار معاف کیا جاتا ہے۔ اب چوتھی بار میں غالب آیا تو یقیناً تجھے قتل کر ڈالوں گا۔

امیر المؤمنینؓ! اس کی یہ بات سن کر مجھ پر ایسا خوف طاری ہوا کہ اس سے مقابلہ کا خیال میرے دماغ سے بالکل نکل گیا۔ میں نے اس کی بہادری کی تعریف کی اور اپنی ہار مان لی۔

امیر المؤمنینؓ! میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسا بہادر اور بلند حوصلہ آدمی نہیں دیکھا۔ اس نے تین مرتبہ مجھ پر قابو پا کر مجھے چھوڑ دیا حالانکہ میں نے اس کی جان لینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

حضرت عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کو زندگی کی جو آخری عزت اور بزرگی حاصل ہوئی۔ وہ ان کا اس جنگ میں شریک ہونا تھا جس نے ایران کی مجوسی حکومت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔ یہ خونریز جنگ مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان ۲۱ ہجری میں نہاوند کے مقام پر ہوئی۔ یہ لڑائی دراصل ایران کے بادشاہ یزدجرد کی آخری کوشش تھی جو اس نے مسلمانوں کو ایران سے نکالنے کے لیے کی۔ اس میں ایرانیوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی اور ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد تیس ہزار یا اس سے کچھ اوپر تھی۔ اسلامی لشکر میں عرب کے کئی نامی بہادروں کے علاوہ حضرت عمروؓ بن معدی کرب بھی شامل تھے۔ دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ دونوں اطراف کے سینکڑوں آدمی میدان جنگ میں کام آئے۔ مسلمان شہیدوں میں اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما نے اسلامی فوج کی کمان سنبھالی اور ایرانیوں پر ایسا تند و تیز حملہ کیا کہ ان کے قدم اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت عمروؓ بن معدی کرب لڑائی میں شروع سے اخیر تک قدم جما کر لڑتے رہے یہاں تک کہ زخموں سے چُور چُور ہو گئے۔ ایرانیوں کی شکست کے بعد مسلمان انھیں میدانِ جنگ سے اٹھا کر لائے اور ان کا علاج شروع کیا لیکن ان کا آخری وقت آ پہنچا تھا نہاوند کے قریب روذہ نام کے ایک گاؤں میں وہ شہادت کا تاج پہن کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نقاب پوش مجاہد

بنواُمیّہ کے پانچویں خلیفہ عبدالملک کے ایک بیٹے کا نام مَسلَمہ تھا۔ وہ بڑا بہادر اور لائق نوجوان تھا اور نہ صرف ہر قسم کے ہتھیار چلانے کا ماہر تھا بلکہ دشمنوں سے لڑنے کا فن بھی خوب جانتا تھا۔ اسی لیے والد (عبدالملک) نے اسے اپنی فوج کے ایک حصے کا سپہ سالار بنا دیا تھا۔ وہ ہر سال سردی کے موسم میں پڑوس کے رومی علاقوں پر فوج کشی کیا کرتا تھا۔ (کیونکہ روم کا بادشاہ اسلامی حکومت کا دشمن تھا) اس طرح اس نے متعدد رومی قلعے فتح کر لیے تھے۔

ایک دفعہ مَسلَمہ بن عبدالملک نے ایک رومی قلعے کا محاصرہ کیا لیکن کافی عرصہ گزر جانے کے باوجود قلعہ فتح ہونے میں نہ آیا۔ ایک دن مَسلَمہ فوج کے ایک خاص دستے کو ساتھ لے کر قلعے پر ایک زوردار حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ قلعہ میں موجود رومی فوج نے اس دستے پر تیروں اور آگ کے گولوں کی بارش کر دی جس سے اس کے لیے آگے بڑھنا مشکل ہو گیا۔ اس وقت لوگوں نے دیکھا کہ ایک مجاہد جان ہتھیلی پر رکھ کر تیروں اور آگ کی بارش میں دیوانہ وار قلعے کی طرف بڑھ رہا ہے یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

واقعہ یہ تھا کہ اس مجاہد کو کسی طرح قلعے کی دیوار کے ایک کمزور مقام کا علم ہو گیا تھا۔ وہ جان کی بازی لگا کر اس مقام تک پہنچ گیا اور دیوار میں نقب لگائی یہاں تک کہ اس میں شگاف ہو گیا۔ اس اثنا میں حملہ کرنے والا فوجی دستہ بھی ڈھالوں کی آڑ لیتا ہلہ مار کر قلعے کی دیوار کے نیچے پہنچ گیا۔ چند بہادروں نے اس

شگاف سے قلعے کے اندر داخل ہو کر اس کا دروازہ کھول دیا۔ اب ساری فوج تکبیر کے نعرے لگاتی قلعے میں داخل ہوگئی۔ رومیوں نے ہتھیار ڈال دیے اور قلعے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

اب سارے لوگوں کی نگاہیں اس بہادر مجاہد کو تلاش کر رہی تھیں جس نے جان پر کھیل کر قلعے کی دیوار میں نقب لگائی تھی لیکن کوئی اسے پہچانتا نہ تھا۔ مُسلَمہ نے پورے لشکر کو جمع کیا اور اس کے سامنے اعلان کیا کہ جس مجاہد نے قلعے کی دیوار میں نقب لگائی وہ سامنے آئے۔ لیکن اعلان کے جواب میں پورے لشکر پر سناٹا چھایا رہا اور کوئی سامنے نہ آیا۔ اب مسلمہ نے بلند آواز سے کہا: ''میں اس مجاہد کو اس کے رَبّ کی قسَم دیتا ہوں کہ سامنے آ جائے۔'' اچانک فوج میں سے ایک نقاب پوش (چہرے کو کپڑے سے ڈھانپے ہوئے) مجاہد آگے بڑھا۔ اس کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ وہ مُسلَمہ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہا:

''اے امیر! نقب میں نے لگائی۔ اگر آپ مجھے رَبّ کی قسَم نہ دیتے تو میں کبھی اپنے آپ کو ظاہر نہ کرتا۔ اب میں آپ کو رب کی قسَم دیتا ہوں کہ مجھ سے میرا نام نہ پوچھیے گا اور اگر آپ کو معلوم بھی ہو جائے تو کسی کو نہ بتایئے گا کیونکہ میں نے جو کچھ کیا' اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے کیا۔ میں اس کام کا صلہ اللہ تعالیٰ ہی سے چاہتا ہوں اور کسی قِسم کے انعام کی مجھے خواہش نہیں۔''

مَسلَمہ اب خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد وہ جب دعا کرتا تو کہتا ''اے اللہ مجھے نقب لگانے والے اس مجاہد کے ساتھ کر دیجیے گا۔''

❀ ❀ ❀

مجاہد سپہ سالار کی دُعا اور قسَم

پہلی صدی ہجری میں قُتَیبہ بن مُسلِم باہلی مسلمانوں کے بہت بڑے جرنیل گزرے ہیں۔ وہ ایک فوجی گھرانے میں ۴۹ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ''مسلم'' عرب قبیلے ''بنو باہلہ'' کے سردار اور ایک فوجی افسر تھے۔ انھوں نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کا بڑا اچھا انتظام کیا۔ اس کے نتیجے میں قتیبہ کو نہ صرف علم کی دولت مل گئی بلکہ ہر قسم کے ہتھیار استعمال کرنے میں بھی مہارت حاصل ہوگئی یہاں تک کہ وہ اپنے قبیلے کے ان نیک بہادر اور نڈر نوجوانوں میں شمار ہونے لگے جن کو اپنے دِین سے سچی محبت تھی۔ اس زمانے میں اسلامی دنیا کا حکمران اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک تھا۔ اُموی کا مطلب ہے بَنُواُمَیّہ سے تعلق رکھنے والا۔ بنواُمَیّہ قبیلہ قریش ہی کی ایک شاخ تھا۔ ولید کا دورِ حکومت (۸۶ھ سے ۹۶ھ تک) اسلامی تاریخ کا سنہری زمانہ کہلاتا ہے کیونکہ اس زمانے میں مسلمانوں نے کئی ملک فتح کرلیے اور اسلامی حکومت کی سرحدیں چین سے جا ملیں۔ نوجوان قتیبہ بن مسلم بھی اپنے والد کی طرح فوج میں بھرتی ہوگئے۔ جلد ہی وہ ایک سچے مسلمان اور نڈر سپاہی کی حیثیت سے مشہور ہوگئے۔ انھوں نے حکومت کے باغیوں کے خلاف کئی لڑائیوں میں ایسی بہادری دکھائی کہ ان کی دلیری اور بے خوفی کی دھاک بیٹھ گئی۔ ان کی شجاعت اور قابلیت کو دیکھ کر خلیفہ نے انہیں خراسان کا

گورنر مقرر کر دیا۔

خراسان کا گورنر مقرر ہونے کے بعد قتیبہ نے وسط ایشیا کے کئی ملکوں بخارا' خوارزم' خارستان' ترکستان وغیرہ کو فتح کر کے ان پر اِسلام کا جھنڈا لہرا دیا پھر آگے بڑھ کر کاشغر کو فتح کر لیا اور یوں چین کی سرزمین میں داخل ہو گئے۔ قتیبہ نے اپنی فتوحات کا آغاز بخارا کی طرف پیش قدمی کرنے سے کیا۔ یہ علاقہ اس وقت بُت پرستوں کا گڑھ تھا۔ اسلامی لشکر خراسان سے بخارا کی طرف بڑھا تو راستے میں دریائے جیحوں نے اس کو روک لیا کیونکہ اسلامی لشکر کی یلغار کی خبر سن کر دشمن تمام کشتیاں دوسرے کنارے کی طرف لے گیا تھا۔ دریا بڑا گہرا تھا۔ اس وقت سپہ سالار قتیبہ نے دو رکعت نماز پڑھی اور پھر بڑی عاجزی کے ساتھ اللہ تعالی کے حضور یہ دعا کی۔

"اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں تیرے دِین کو سربلند کرنے کی خاطر جہاد کر رہا ہوں اس لیے مجھے اور میرے ساتھیوں کو اس دریا میں ڈوبنے سے بچانا۔ اگر میری یا میرے ساتھیوں کی نیت کچھ اور ہوتی تو بلاشبہ ہم سب اس دریا میں غرق کیے جانے کے لائق تھے۔"

یہ دعا مانگ کر قتیبہؒ نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور ان کے ساتھ ہی سارا لشکر دریا میں اتر گیا۔ اللہ کی قدرت سب لوگ اس طرح دریا پار کر گئے جیسے خشک زمین پر چل رہے ہوں۔

اس کے بعد جو کچھ پیش آیا وہ لمبی داستان ہے۔ مختصر یہ کہ قتیبہؒ وسطِ ایشیا کے ملک پر ملک فتح کرتے چین جیسے بہت بڑے ملک میں جا داخل ہوئے اور کاشغر پر قبضہ کر کے عارضی طور پر وہاں ڈیرا ڈال دیا۔ اس وقت تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ مسلمانوں اور چینیوں کے درمیان خوفناک جنگ ہو گی لیکن چین کے بادشاہ نے

(جسے خاقانِ چین کہا جاتا تھا) عقلمندی سے کام لیا اور اس نے قتیبہ کو پیغام بھیجا کہ اپنے کسی معتبر آدمی کو میرے پاس بھیجو تا کہ میں اس سے معلوم کروں کہ تم لوگ میرے ملک میں کیوں داخل ہوئے ہو اور تمہاری غرض کیا ہے۔ خاقانِ چین کا پیغام ملنے پر قتیبہ نے ہبیرہ بن مشرج کلابی کو دس ایسے دانا مجاہدوں کے ساتھ خاقان کے پاس بھیجا جو اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کر سکتے تھے۔ اس وفد کی خاقان سے کئی ملاقاتیں ہوئیں لیکن کوئی بات طے نہ ہو سکی۔ آخری ملاقات میں خاقان نے ہبیرہ سے کہا:

''تم سب سے دانا آدمی معلوم ہوتے ہو' جاؤ اپنے سپہ سالار سے کہہ دو کہ اگر خیر چاہتے ہو تو اس ملک سے نکل جاؤ۔ میرے پاس اتنے بڑے بڑے لشکر ہیں کہ تمہارے لشکر کی ان کے سامنے کوئی حقیقت نہیں۔ میرے یہ لشکر لمحہ بھر میں تمہارے چھوٹے سے لشکر کو کچل ڈالیں گے۔''

ہبیرہ نے تن کر جواب دیا:

''اے بادشاہ! اس لشکر کو چھوٹا کیسے کہا جا سکتا ہے جس کا ایک سرا چین میں ہو اور دوسرا ملک شام میں اور یہ جو ہمیں کچلنے کی دھمکی دی گئی ہے تو ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ موت اپنے وقت سے پہلے کبھی نہیں آتی۔ اگر یہ جنگ کے میدان میں آئے تو ہم اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہیں۔''

ہبیرہ کے اس دلیرانہ جواب نے بادشاہ کو حیران کر دیا۔ اس نے پوچھا:

تمہارا سپہ سالار کن شرطوں پر صلح کر سکتا ہے؟

ہبیرہ نے جواب دیا:

''وہ قسم کھا چکا ہے کہ جب تک تمہاری زمین کو روند نہ ڈالے اور تم سے خراج وصول نہ کر لے' واپس نہیں جائے گا۔''

خاقان کو معلوم ہو چکا تھا کہ یہ لوگ سارے وسط ایشیا کو زیروزبر کر چکے ہیں اور ان سے لڑنے کے بجائے صلح کر لینا ہی بہتر ہے اس نے کہا:

''ہم تمہارے سپہ سالار کی قسم ابھی پوری کر دیتے ہیں۔''

پھر اس نے سونے کے چند قابوں (طشتوں) میں اپنی زمین کی مٹی، بہت سا زرومال اور قیمتی تحفے قتیبہؒ کے پاس روانہ کیے اور مسلمانوں سے صلح کی خواہش ظاہر کی۔ قتیبہؒ نے مٹی کو اپنے قدموں تلے روند ڈالا اور تحفے وغیرہ قبول کر کے واپس اپنے ملک چلے گئے۔ اس سے پہلے چین کا بادشاہ مسلمانوں کے دشمن ملکوں کی مدد کر چکا تھا۔ اب اسے معلوم ہو گیا تھا کہ ایسا کرنا کتنا خطرناک ہے چنانچہ مسلمانوں سے صلح کر کے اس نے بتا دیا کہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا اور یہی قتیبہؒ کا مقصد تھا جو پورا ہو گیا تھا۔

* * *

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

کسی مصیبت اور تکلیف کے پہنچنے کی وجہ سے خبردار کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے۔ اگر بہت ہی تنگ ہو تو یوں کہہ سکتا ہے کہ اے اللہ! مجھے زندہ رکھ جب تک کہ زندگی میرے لیے بہتر ہے اور مجھے وفات دے جبکہ وفات میرے لئے بہتر ہو۔ (صحیح بخاری)

بے گُناہ مجرم

بُنواُمیّہ کی سلطنت اور خلافت کے بعد عبّاسی خاندان کی خلافت شروع ہوئی۔ اس خاندان کا دوسرا خلیفہ ابوجعفر منصور تھا۔ اس نے ۱۳۶ھ ہجری/۷۵۴ء سے ۱۵۸ ہجری/۷۷۵ء تک حکومت کی۔ ایک دفعہ کسی شخص نے اس کو خبر دی کہ فلاں شخص کے پاس بنوامیہ کے بہت سے خزانے اور قیمتی چیزیں ہیں جو اس کے پاس ان (بنوامیہ) کی طرف سے امانت کے طور پر رکھے ہوئے ہیں۔

چونکہ عباسی خاندان بنواُمیّہ کا دشمن تھا اس لیے ابوجعفر منصور نے حکم دیا کہ اس شخص کو گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کیا جائے۔ جب اسے گرفتار کر کے منصور کے سامنے پیش کیا گیا تو منصور نے اس سے کہا:

''ہمیں خبر ملی ہے کہ تمہارے پاس بنواُمیّہ کے لوگوں کے خزانے اور امانتیں ہیں، وہ سب لا کر یہاں حاضر کرو۔''

قیدی نے کسی گھبراہٹ یا خوف کے بغیر جواب دیا۔

''اے امیرالمومنین! کیا آپ بنواُمیّہ کے وارث ہیں؟

منصور: نہیں

قیدی: تو کیا بنوامیہ نے آپ کے حق میں وصیت کی ہے کہ ان کا مال آپ کو دیا جائے؟

منصور: نہیں

قیدی: جب نہ آپ ان کے وارث ہیں اور نہ انھوں نے آپ کے حق میں

وصیّت کی ہے تو آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ان کی امانتیں مجھ سے طلب کریں۔

منصور: (کچھ دیر سر جھکائے سوچنے کے بعد) مجھے یہ حق اس لیے پہنچتا ہے کہ بنو اُمَیّہ نے مسلمانوں پر بہت ظلم ڈھائے تھے اور ان کے مال اسباب پر زبردستی قبضہ کیا تھا۔ اب میں ان مظلوم مسلمانوں کا مال ظالموں کے ہاتھ سے چھین کر سرکاری خزانے (بیت المال) میں جمع کرانا چاہتا ہوں۔

قیدی: امیر المؤمنین! آپ جو کچھ فرما رہے ہیں اسے اسی وقت مانا جا سکتا ہے۔ جب آپ شریعت کے مطابق یہ گواہی پیش کریں کہ جو امانتیں میرے پاس ہیں وہ بنو امیہ کے اس مال اسباب میں سے ہیں جس پر انھوں نے زبردستی ظلم سے قبضہ کیا تھا کیونکہ بنو امیہ ایسے مال اسباب کے بھی جائز مالک تھے جس پر انھوں نے زور زبردستی اور ظلم سے قبضہ نہیں کیا تھا۔

منصور قیدی کا جواب سن کر کچھ دیر خاموش رہا اور پھر اپنے وزیر ربیع سے مخاطب ہو کر کہا:

"کیوں ربیع! اس قیدی نے جو کچھ کہا ہے وہ درست ہی تو ہے۔
شریعت کے مطابق اس کے ذمہ ہمارا کوئی حق نہیں ہے۔"

پھر اس نے قیدی سے پوچھا:

تمہاری کوئی حاجت ہو تو بیان کرو۔

قیدی: امیر المؤمنین! میری ایک حاجت تو یہ ہے کہ فوراً ایک قاصد کے ہاتھ میرا خط میرے گھر بھجوا دیں تاکہ میرے گھر والوں کو اطمینان ہو جائے کہ میں خیریت سے ہوں۔ اس وقت میری گرفتاری کی وجہ سے وہ سخت پریشان ہوں گے۔ میری دوسری حاجت یہ ہے کہ جس شخص نے آپ کو یہ خبر دی کہ میرے پاس بنو امیہ کی امانتیں پڑی ہیں، اسے یہاں میرے سامنے بلا لیں۔ خدا کی قسم بنو اُمَیّہ

کا کوئی مال اسباب میرے پاس نہیں ہے۔ اس شخص نے جھوٹی خبر آپ کو دی۔

منصور نے اپنے وزیر ربیع کو حکم دیا کہ اس شخص کو میرے سامنے پیش کرو جس نے یہ خبر دی تھی۔

وزیر نے تھوڑی دیر میں اس شخص کو خلیفہ کے سامنے پیش کر دیا۔ اسے دیکھتے ہی بے گناہ قیدی نے عرض کیا:

''امیر المومنین! یہ شخص میرا ملازم تھا جو میرے تین ہزار دینار لے کر بھاگ گیا تھا۔''

منصور نے بھگوڑے ملازم سے گرج کر کہا:

''سچ بتاؤ کہ حقیقت کیا ہے؟

بھگوڑا ملازم: حضور! جو کچھ انھوں نے بیان کیا ہے وہ حقیقت ہے۔ میں واقعی ان کے تین ہزار دینار لے کر بھاگا ہوں۔ پھر وہ رو رو کر رحم کی بھیک مانگنے لگا۔

اب خلیفہ نے بے گناہ قیدی سے مخاطب ہو کر کہا' میں آپ سے سفارش کرتا ہوں کہ اس پر رحم کیجیے اور اس کو معاف کر دیجیے۔

بے گناہ قیدی: میں نے اس کا جرم معاف کیا اور جتنا مال لے کر یہ بھاگا وہ بھی معاف کرتا ہوں اور تین ہزار دینار اپنے پاس سے دیتا ہوں تا کہ وہ حلال کی روزی کما کر کھائے۔

خلیفہ اس بے گناہ قیدی کا حوصلہ دیکھ کر حیران رہ گیا' بڑی عزت و احترام سے اس کو رخصت کیا اور اس نے ایک ذلیل مجرم کے ساتھ جو اچھا سلوک کیا اس کو ہمیشہ یاد رکھا۔

✻ ✻ ✻

انسان کے اختیار کی حد

شہیدِ کربلا سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پڑپوتے حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ دین کے بہت بڑے عالِم تھے۔ ایک دفعہ کوئی شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے پوچھا:

''یا حضرت! انسان مختار ہے یا مجبور' کیا اس زندگی میں وہ سب کچھ اپنی کوشش سے کر سکتا ہے یا سب کچھ اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔''

امام صاحبؒ نے اس سے فرمایا: کھڑے ہو جاؤ۔

وہ کھڑا ہو گیا۔

آپؒ نے فرمایا: اپنا ایک پاؤں اوپر اٹھا لو۔

اس نے اٹھا لیا۔

پھر فرمایا' دوسرا پاؤں بھی اٹھاؤ۔

اس نے عرض کیا:

''دوسرا پاؤں تو میں اسی صورت میں اٹھا سکتا ہوں جب پہلا اٹھا ہوا پاؤں زمین پر ٹِکا دوں۔ یا حضرت! ایک وقت میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھانا میرے اختیار میں نہیں ہے۔''

امام صاحبؒ نے فرمایا:

''جاؤ تمہارے سوال کا جواب ہو گیا۔ تم اپنے اختیار سے کھڑے ہو گئے پھر اپنے اختیار سے اپنا ایک پاؤں اٹھایا۔ بس یہاں تمہارے

اختیار کی حد ختم ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتنا ہی اختیار دیا ہے۔ دوسرا پاؤں تم نہیں اٹھا سکے کیونکہ ایک وقت میں دونوں پاؤں اٹھانے کا اختیار اللہ تعالیٰ نے تمہیں نہیں دیا۔ اس میں تم مجبور ہو۔''

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کو ہر قسم کے دینی اور دُنیوی عُلوم پر عبور حاصل تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو کمال درجے کی حکمت اور فراست عطا کی تھی۔ بے شمار لوگ ان سے طرح طرح کے مسئلے پوچھنے آتے رہتے تھے اور وہ سب مسئلے قرآن اور حدیث کی روشنی میں حل کر دیتے تھے۔

امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے علم کے سمندر نے بھی امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ عرصہ علم حاصل کیا تھا۔ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نہایت پرہیزگار، عبادت گزار، سخی اور خوش اخلاق تھے۔ ان کی پاکیزہ زندگی کو دیکھ کر لوگ دل و جان سے ان کی عزّت کرتے تھے۔ انھوں نے ۱۴۸ یا ۱۴۹ ہجری میں ۶۷ یا ۶۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔

❀ ❀ ❀

بادشاہت سے درویشی اچھی

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ تیسری صدی ہجری میں بہت بڑے صوفی اور اللہ والے بزرگ گزرے ہیں (پیدائش ۱۷۹ھ ہجری اور وفات ۲۸۱ھ ہجری) کہتے ہیں کہ پہلے وہ بلخ کے بادشاہ تھے اور بڑی شان وشوکت سے حکومت کرتے تھے لیکن ایک دن ایسا آیا کہ ان کے دل کی دنیا بدل گئی اور انھوں نے بادشاہت پر لات مار کر درویشی اختیار کر لی۔ پھر ساری عمر دین کا علم سیکھنے اور سکھانے اللہ کی عبادت کرنے، محنت مزدوری کر کے روزی کمانے اور لوگوں کی خدمت کرنے میں گزار دی۔

حضرت ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ نے بادشاہت کیسے چھوڑی؟ اس کے بارے میں یہ کہانی مشہور ہے کہ ایک رات کو اپنے عالی شان محل میں سو رہے تھے کہ آدھی رات کے وقت محل کی چھت پر کھٹ پٹ کی آواز سن کر ان کی آنکھ کھل گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی آدمی ان کے سونے والے کمرے کی چھت پر ٹہل رہا ہے۔ انھوں نے آواز دی، تم کون ہو اور یہاں اس وقت کیا کر رہے ہو؟

جواب میں آواز آئی:

''آپ کا دوست ہوں اور یہاں اپنا اونٹ تلاش کر رہا ہوں۔''

حضرت ابراہیمؒ نے کہا: ارے شاہی محل کی چھت پر اونٹ، یہ کیسے ممکن ہے؟

جواب میں آواز آئی: اگر یہ ممکن نہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ریشمی لباس پہن کر

عیش وعشرت میں زندگی گزاری جائے اور امید کی جائے کہ اللہ مل جائے گا۔ معلوم نہیں یہ واقعہ خواب میں پیش آیا یا بیداری میں لیکن حضرت ابراہیمؒ بن ادھمؒ کے دل میں یہ خیال ضرور پیدا ہوا کہ جس ٹھاٹ باٹ سے وہ زندگی گزار رہے ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ دوسرے دن جب وہ اپنے دربار میں بیٹھے تھے کہ اچانک نورانی چہرے والا ایک اجنبی آدمی بڑے دبدبے سے دربار میں داخل ہوا۔ وزیروں' درباری امیروں اور شاہی ملازموں میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ اس کو دربار میں داخل ہونے سے روکے۔ بادشاہ (حضرت ابن ادھمؒ) نے خود اس سے پوچھا:

"تم کون ہو اور یہاں کیوں آیا؟

اس نے کہا: میں اس سرائے میں ٹھہرنا چاہتا ہوں۔

حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا: یہ سرائے نہیں' شاہی محل اور دربار ہے۔

اجنبی نے کہا: آپ سے پہلے اس محل میں کون رہتا تھا۔

حضرت ابراہیمؒ: میرا باپ

اجنبی: آپ کے باپ سے پہلے کون تھا؟

حضرت ابراہیمؒ: میرا دادا

اس طرح کئی پشتوں تک پہنچ کر اجنبی نے پوچھا: آپ کے بعد یہاں کون رہے گا؟

حضرت ابراہیمؒ: میری اولاد

اجنبی: ذرا سوچو جس مقام پر اتنے آدمی آئیں اور جائیں اور کسی کو ہمیشہ کے لیے یہاں ٹھہرنا نصیب نہ ہو' وہ سرائے نہیں تو اور کیا ہے؟

یہ کہہ کر اجنبی آدمی فوراً دربار سے نکل گیا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا:

اس واقعہ نے حضرت ابراہیم بن ادھم پر ایسا اثر ڈالا کہ رات انھوں نے بڑی بے چینی سے محل میں گزاری اور صبح ہوتے ہی تخت اور تاج پر لات مار کر فقیرانہ لباس پہن لیا اور شہر سے باہر نکل گئے۔ درویشی اختیار کرنے کے بعد حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کیسے گزاری، یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ بس یوں سمجھیے کہ انھوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی عبادت، اللہ کے سچے دین اسلام کی تبلیغ، علم حاصل کرنے اور علم پھیلانے، اپنی روزی محنت مزدوری کر کے کمانے، اپنی کمائی غریبوں اور حاجت مندوں پر لٹانے اور مخلوق خدا کی خدمت کرنے میں گزار دی۔ انھوں نے کئی حج بھی پیادہ پا کیے اور سالہا سال تک حرم شریف میں جھاڑو دینے کی خدمت بھی انجام دیتے رہے۔ اپنی پاکیزہ زندگی کی بدولت وہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں میں شمار ہونے لگے اور لوگوں کی نظروں میں بھی ان کو بڑا بلند مقام اور مرتبہ حاصل ہو گیا۔ ہر روز بیسیوں لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ ان سے ایمان کو تازہ کرنے والی باتیں سنتے اور اپنی زندگیاں سدھارنے کی کوشش کرتے۔ کہتے ہیں کہ بہت سے لوگ ان کے مرید بھی بن گئے تھے لیکن وہ اپنے مریدوں سے کچھ نہیں لیتے تھے بلکہ اپنی کمائی کا ایک حصہ وہ اپنے مریدوں کو کھلانے پلانے میں خرچ کر دیتے تھے۔ جن کتابوں میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے حالات بیان کیے گئے ہیں ان میں حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ کے بہت سے اقوال ملتے ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

ایک دفعہ حضرت ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کسی شخص کو یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ انھوں نے فرمایا، جس شخص کا دل تین حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف نہ ہو تو یہ اس بات کی

نشانی ہے کہ اس پر رحمت کا دروازہ بند کیا جاچکا ہے۔

اول قرآن پاک کی تلاوت کے وقت

دوم نماز پڑھتے ہوئے

سوم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے

مطلب یہ کہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو سچے دل سے یاد رکھنا چاہیے۔ ادھر ادھر کی باتوں کی طرف دھیان نہیں دینا چاہیے اور یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ہر کام دیکھ رہا ہے اور جو کچھ اس کی زبان سے نکل رہا ہے' اس کو سن رہا ہے۔

ایک مرتبہ کسی نے حضرت ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا' حضرت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں پھر کیا سبب ہے کہ بعض دفعہ ہم برابر دعا کرتے رہتے ہیں لیکن ہماری دعا قبول نہیں ہوتی۔

حضرت ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''بھائی سنو! دعا قبول نہ ہونے کے نو اسباب ہیں

۱- تم اللہ تعالیٰ کو جانتے ہو لیکن اس کا حق ادا نہیں کرتے یعنی جن کاموں کے کرنے کا اس نے حکم دیا ہے' وہ نہیں کرتے اور جن کاموں سے اس منع کیا ہے' ان سے دور نہیں رہتے۔

۲- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچانتے ہو اور آپ سے محبت رکھنے کا دعویٰ بھی کرتے ہو مگر آپؐ کی پیروی نہیں کرتے (یعنی آپؐ کے اُسوہ (طریقہ) کے مطابق زندگی نہیں گزارتے۔

۳- قرآن مجید پڑھتے تو ہو مگر اس پر عمل نہیں کرتے

۴- اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھاتے ہو مگر سچے دل سے اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔

۵- شیطان کو دشمن سمجھتے ہو مگر اس سے نہیں بھاگتے اور اس کے کہنے پر چلتے ہو۔

۶- دوسروں کے عیب ڈھونڈتے ہو اور اپنے عیبوں پر نظر نہیں ڈالتے۔

۷- جانتے ہو کہ دوزخ گنہگاروں کے لیے ہے مگر اس سے نہیں ڈرتے۔

۸- موت کو برحق سمجھتے ہو (یعنی ایک دن ہر ایک کو مرنا ہے) لیکن اس کا کوئی سامان نہیں کرتے یعنی ایسے نیک کام نہیں کرتے جو موت کے بعد کام آئیں۔

۹- اپنے پیاروں کو اپنے ہاتھوں سے زمین میں دفن کرتے ہو لیکن اس سے نصیحت نہیں پکڑتے۔

* * *

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص اپنے مال کو بچاتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے اور جو شخص اپنی جان بچاتا ہوا مارا جائے وہ بھی شہید ہے اور جو شخص اپنا دین بچاتا ہوا مارا جائے وہ بھی شہید ہے اور جو شخص اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ بھی شہید ہے۔ (ترمذی)

اپنی تعظیم چاہنے والوں کا انجام

دسویں عباسی خلیفہ المتوکّل عَلَی اللہ نے ایک دفعہ ملک کے بڑے بڑے عُلَما کو بغداد بلا بھیجا۔ جب سب علما آ گئے اور ایک مجلس میں جمع ہوئے تو خلیفہ بھی اس مجلس میں شریک ہونے کے لیے آیا۔ ایک عالم کے سوا باقی سب علما خلیفہ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ خلیفہ نے اپنے ساتھ آنے والے ایک وزیر سے کھڑے نہ ہونے والے عالم کی طرف اشارہ کر کے پوچھا:

''کیا اس شخص نے ہماری بیعت نہیں کی؟''

وزیر نے جواب دیا:

''امیر المومنین! انہوں نے بیعت ضرور کی ہے مگر ان کی نظر کمزور ہے۔ اس لیے کھڑے نہیں ہوئے۔''

یہ سن کر وہ عالم دین جن کا نام احمد بن معدل تھا فوراً بولے

''امیر المومنین! میری نظر بالکل درست ہے اور میں اچھی طرح دیکھ سکتا ہوں میں اس لیے آپ کی تعظیم کے لیے کھڑا نہیں ہوا کہ آپ کو اللہ کے عذاب سے بچانا چاہتا ہوں۔ شاید آپ کو رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا علم نہیں ہے کہ جو شخص لوگوں سے یہ امید رکھے کہ وہ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں وہ اپنا ٹھکانا جہنّم میں بنا لے۔''

یہ سن کر خلیفہ چپ چاپ ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرنے والے علما ہر زمانے میں موجود رہے ہیں لیکن ایسے فرمانروا بہت کم ہوئے ہیں جنھوں نے رعایا کے کسی فرد کی سچی اور کھری کھری باتیں برداشت کر لی ہوں۔

تیسری صدی ہجری کا ایک عجیب واقعہ

عباسی خاندان کا گیارھواں خلیفہ المستنصر باللہ اپنے والد المتوکل علیَ اللہ (دسویں خلیفہ) کو قتل کر کے ۲۴۷ھ ہجری میں مُسندِ خلافت پر بیٹھا۔ چند دن کے بعد اس نے حکم دیا کہ میرے دربار کو اس طرح سجایا جائے کہ اس میں سونے کے تاروں سے منڈھے ہوئے ریشمی قالین بچھائے جائیں اور پھر سب وزیر امیر میرے سامنے حاضر ہوں چنانچہ دربار میں اس قسم کے قیمتی قالین بچھا دیے گئے۔ ان میں سے ایک قالین کے درمیان ایک بڑا سا دائرہ تھا جس میں تاج پہنے ہوئے ایک شہسوار کی تصویر تھی اور دائرے کے گِرد فارسی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ جب مستنصر باللہ دربار میں آ کر بیٹھا اور سب امیر وزیر بھی دربار میں آ گئے تو خلیفہ کی نظر تصویر والے قالین پر پڑی۔ اس نے قریب کھڑے ہوئے ایک درباری امیر سے پوچھا' اس دائرے کے گرد کیا لکھا ہے؟ یہ عبارت پڑھنے کے لیے کہا لیکن وہ امیر اسے نہ پڑھ سکا۔ پھر اس نے دربار کے تمام وزیروں اور امیروں سے یہ عبارت پڑھنے کے لیے کہا لیکن کوئی بھی اسے نہ پڑھ سکا۔ اب خلیفہ نے ایک خادم کو حکم دیا کہ کسی فارسی زبان جاننے والے کو بلا لاؤ۔

خادم دوڑا گیا اور ایسے ایک آدمی کو بلا لایا۔ خلیفہ نے اسے یہ عبارت پڑھنے کے لیے کہا۔ اس نے یہ عبارت پڑھی تو اس کا رنگ اُڑ گیا اور وہ خاموش کھڑا رہا۔

خلیفہ نے پوچھا:

''کیا لکھا ہے؟''

اس نے کہا: کچھ نہیں، امیر المؤمنین! یہ ایرانیوں کی حماقت ہے۔''

خلیفہ نے کہا: ''بتاؤ تو سہی کہ کیا لکھا ہے۔''

وہ بولا: امیر المؤمنین! یہ بے معنی عبارت ہے۔ (اس کا کچھ مطلب نہیں) خلیفہ کو اس شخص کی ٹال مٹول پر سخت غصہ آیا اور اس نے اس کو دھمکی دی کہ اس عبارت کا جو بھی مطلب ہے، بیان کرو ورنہ سخت سزا دوں گا۔

اب اس شخص نے کہا کہ اس عبارت کے معنی یہ ہیں کہ:

''میں شیرویہ بن کسریٰ بن ہرمز ہوں، میں نے اپنے باپ کو قتل کیا تھا اور اس کے بعد چھ ماہ سے زیادہ میری سلطنت قائم نہ رہ سکی۔''

یہ سن کر مستنصر باللہ کا چہرہ زرد ہو گیا اور وہ اٹھ کر محل کے اندر چلا گیا۔ اللہ کی قدرت چھ مہینے کے بعد وہ بھی مر گیا۔ یوں شیرویہ اور اس کا انجام ایک جیسا ہوا۔

(خزینۃ العلوم)

* * *

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت بہز بن حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- ''خرابی اور نامرادی ہے اس شخص کے لیے جو جھوٹی باتیں اس لیے کہتا ہے کہ لوگوں کو ہنسائے، خرابی ہے اس کے لیے، خرابی ہے اس کے لیے۔ (ترمذی)

زمانے کی گردش

بیسواں عباسی خلیفہ راضی باللہ جس نے ۳۲۲ ہجری (۹۳۴ عیسوی) سے ۳۲۹ ہجری (۹۴۰ عیسوی) تک حکومت کی' اس کے زمانے کا ذکر ہے کہ ایک جمعہ کے دن بغداد کی جامع مسجد المنصور' جمعہ کی نماز کے لیے آنے والے نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ نماز کے بعد امام صاحب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ مسجد کی سب سے پچھلی صف سے دردناک آواز آئی۔

''لوگو! میری طرف دیکھو' میں اندھا اور محتاج ہوں' زمانے کی گردش اور اپنے عملوں کی سزا کی جیتی جاگتی تصویر ہوں۔ میرے حال پر رحم کرو اور میں نے اپنے زمانے میں جو ظلم کیے ان کو معاف کردو۔ تم مجھے خوب جانتے ہو میں کبھی تمہارا خلیفہ تھا جسے قدرت کے انتقام اور زمانے کے چکر نے بھیک مانگنے پر مجبور کر دیا ہے۔''

نمازیوں نے پلٹ کر اس اندھے بھکاری کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ کے خوف اور حیرت سے ان کی چیخیں نکل گئیں۔ چند سال پہلے یہ ان کا خلیفہ تھا۔ وہ سولھویں عباسی خلیفہ معتضد باللہ کا بیٹا محمد تھا جس نے قاہر باللہ کے لقب سے شہرت پائی اور ۳۲۰ ہجری (۹۳۲ عیسوی) میں اپنے بھائی مقتدر باللہ (اٹھارہویں عباسی خلیفہ) کو قتل کر کے خود انیسواں عباسی) خلیفہ بن بیٹھا تھا۔ وہ بڑا بدفطرت' لالچی اور ظالم شخص تھا۔ خلیفہ بن کر اس نے لوگوں پر جو سختیاں کیں اور ظلم ڈھائے ان میں سے

کچھ یہ تھے۔

۱- رعایا پر طرح طرح کے ناجائز ٹیکس (محصول) لگا دیے۔

۲- جو لوگ کسی وجہ سے ٹیکس نہیں دے سکتے تھے ان کو سخت اذیتوں کا نشانہ بنایا۔

۳- اپنے جس بھائی (مقتدر باللہ) کو قتل کیا تھا' وہ دوسری ماں سے تھا۔ قاہر باللہ نے اس کی ماں کو بھی مار مار کر ہلاک کر ڈالا۔ اسی طرح اس نے مقتدر کی بیوہ کو بھی مروا ڈالا۔

۴- ۳۲۲ہجری (۹۳۴عیسوی) میں فوج کے چند افسروں نے اس کے مظالم سے تنگ آ کر بغاوت کر دی۔ اس نے اپنے خوشامدی حامیوں کی مدد سے سب کو گرفتار کر کے سخت اذیتیں دیں اور پھر سب کو قتل کر ڈالا۔

۵- اس نے اپنے کئی مخالفوں کو یا تو دیواروں میں زندہ چُنوا دیا یا ان کو کنوؤں میں پھینک کر انہیں بند کر دیا۔ قاہر باللہ کے ایک وزیر علی نے ایک دفعہ اس کو لوگوں پر ظلم ڈھانے سے منع کیا تو اس نے علی کو بھی گرفتار کر کے سزا دینے کا ارادہ کیا۔ علی کو اس کے ارادے کا علم ہوا تو وہ کہیں چھپ گیا۔ قاہر نے اس کی غیر حاضری میں اس کے گھر کو آگ لگوا دی۔ اس میں علی کے گھر والے جل کر بھسم ہو گئے۔

ادھر علی نے اندر ہی اندر فوج میں قاہر باللہ کے خلاف اتنی نفرت پیدا کر دی کہ وہ قوم کو اس ظالم سے نجات دلانے کے لیے تیار ہو گئی چنانچہ اس نے ۶ جمادی الاخریٰ ۳۲۲ہجری (۲۴ مئی ۹۳۴عیسوی) کو بغداد پر حملہ کر دیا۔ قاہر باللہ اور اس کے ساتھیوں نے کچھ دیر مقابلہ کیا لیکن جلد ہی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ فوج نے قاہر باللہ اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔ پھر انھوں نے قتل ہونے والے خلیفہ مقتدر کے بیٹے راضی باللہ کو خلیفہ بنا دیا۔ راضی باللہ نے پہلے تو قاہر باللہ سے وہ

ساری دولت واپس لی جو اس نے لوگوں پر ناجائز ٹیکس لگا کر جمع کی تھی پھر اس نے قاہر باللہ کو اس کے مظالم کی سزا دینے کا ارادہ کیا۔ بہت سے لوگوں نے رائے دی کہ اسے پھانسی پر لٹکایا جائے لیکن راضی باللہ کے خیال میں مناسب سزا یہ تھی کہ اس کو اندھا کر کے در بدر کی ٹھوکریں کھانے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح وہ باقی ساری عمر عذاب میں مبتلا رہے گا۔ چنانچہ اس نے اس کی آنکھوں میں لوہے کی گرم سلاخیں پھروا دیں جس سے اس کی آنکھوں کے ڈھیلے لٹک کر رخساروں پر آ گئے جنہیں اس نے خود ہی کھینچ کر پھینک دیا۔ اس کے بعد وہ گلیوں اور بازاروں میں گھوم پھر کر بھیک مانگتا رہتا۔ آخری عمر میں وہ جامع المنصور کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر بھیک مانگا کرتا تھا۔ لوگ اسے دیکھتے تھے اور عبرت حاصل کرتے تھے۔

(لاہور ۲۵ نومبر ۱۹۸۹)

* * *

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- وہ بات چھوڑ دے جس کے متعلق شک بھی ہو کہ اس کے کرنے میں گناہ ہوگا اور وہ کام اختیار کرو جس کے برا ہونے کا شک تک نہ ہو۔

(جامع ترمذی)

خلیفہ کا انصاف

عباسی خاندان کا پینتیسواں خلیفہ الظاہر بامراللہ نہایت نیک اور اللہ سے ڈرنے والا انسان تھا۔ اس کی خلافت کا زمانہ ایک سال سے بھی کم تھا۔ وہ اس طرح کہ اس کی خلافت ۶۲۲ ہجری میں شروع ہوئی اور چند ماہ بعد ۶۲۳ ہجری میں وہ فوت ہوگیا لیکن اس تھوڑے سے عرصے میں اس نے حضرت ابوبکرصدّیق اور حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کے زمانوں کی یاد تازہ کردی۔ اس نے خلیفہ بنتے ہی حکم دیا کہ میرے باپ دادا نے لوگوں کے جس مال جائداد وغیرہ پر زبردستی قبضہ کیا وہ سب ان کے اصل مالکوں کو واپس کردیا جائے اور انھوں نے لوگوں پر جو ناجائز ٹیکس لگائے تھے۔ وہ بھی سب ختم کردیئے جائیں۔

خلیفہ کو اطلاع ملی کہ حکومت کے خزانے میں جو ترازو ہے اس میں) ۱/۸ گرام کے برابر ٹیڑھ ہے۔ خزانے کے افسر سونا چاندی وغیرہ لیتے وقت ہلکے پلڑے میں تولتے ہیں اور دیتے وقت بھاری پلڑے میں تولتے ہیں یعنی لیتے وقت قیمت سے زیادہ کا مال لیتے ہیں اور دیتے وقت قیمت سے کم کا مال دیتے ہیں۔

خلیفہ نے وزیر کو ایک سخت خط لکھا جس میں اس کی توجہ قرآن پاک کی ان آیتوں کی طرف دلائی جن میں کم تولنے کو سخت گناہ قرار دیا گیا ہے اور پھر حکم دیا کہ تحقیقات کرکے ان سب لوگوں کی کمی پوری کی جائے جن کو کم وزن دیا گیا ہے۔

وزیر نے تحقیقات کے بعد رپورٹ بھیجی کہ:

واقعی یہ خرابی کافی عرصہ سے چلی آ رہی ہے اور اگر لوگوں کی یہ کمی پوری کی گئی تو ۳۵ ہزار دینار واپس کرنے پڑیں گے۔ (دینار سونے کا ایک سکہ تھا)

خلیفہ کو یہ رپورٹ ملی تو اس نے حکم دیا کہ ۳۵ ہزار کیا اگر ۳۵ کروڑ دینار بھی واپس کرنے پڑیں تو فوراً واپس کرو۔

چنانچہ خلیفہ کے حکم کی تعمیل ہوئی جس سے ہزاروں لوگوں کو فائدہ ہوا اور انھوں نے خلیفہ کو دعائیں دیں۔

* * *

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وعدہ بھی ایک طرح کا قرض ہے (لہٰذا اس کو ادا/ پورا کرنا چاہیے) (معجم اوسط للطبرانی)

ہائے دعوتِ شیراز

ساتویں صدی ہجری میں شیخ مشرف الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فارسی زبان کے اتنے بڑے شاعر اور ادیب گزرے ہیں کہ ساری دنیا ان کی بڑائی کو مانتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی سمجھ بوجھ اور دانائی عطا کی تھی کہ وہ ''دانائے مشرق'' (یعنی مشرقی دنیا کا بہت بڑا دانا) کے لقب سے مشہور ہوئے۔ نثر اور نظم میں ان کی دو کتابیں ''گلستان'' اور ''بوستان'' دنیا کی بہترین کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ یہ کتابیں قیامت تک ان کا نام زندہ رکھیں گی۔

شیخ سعدیؒ نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ سیر و سیاحت میں گزارا۔ ایک دفعہ وہ اپنے وطن شیراز سے کسی دوسرے شہر میں اپنے ایک دوست کے ہاں گئے۔ دوست نے ان کی حد سے زیادہ خاطر تواضع کی اور ان کے لیے طرح طرح کے مزے دار کھانے پکوائے۔ جب شیخ صاحب کے سامنے کھانا رکھا گیا تو بے اختیار ان کے منہ سے نکلا ''ہائے دعوتِ شیراز''

یہ سن کر ان کا دوست بہت حیران ہوا اور اس نے سوچا کہ شاید شیخ سعدی کو کھانے پسند نہیں آئے۔ چنانچہ جتنے دن شیخ سعدیؒ اس کے ہاں ٹھہرے وہ ان کے لیے عمدہ سے عمدہ کھانے پکواتا رہا لیکن جب بھی شیخ صاحب کے سامنے دسترخوان بچھتا ان کے منہ سے یہی الفاظ نکلتے۔

''ہائے دعوتِ شیراز'' میزبان کا یہ تکلف دیکھ کر شیخ سعدیؒ بہت جلد دوست سے رخصت ہو کر شیراز واپس چلے گئے۔

کچھ مدت کے بعد شیخ سعدیؒ کا وہی دوست شیراز آیا اور شیخ صاحب کے ہاں قیام کیا۔ شیخ سعدیؒ اس سے انتہائی تپاک سے ملے اور اس کے آنے پر حد سے زیادہ خوشی کا اظہار کیا مگر جب کھانے کا وقت آیا تو انہوں نے ہر روز پکنے والا معمولی کھانا مہمان کے سامنے رکھ دیا اور خود بھی کھانے میں اس کے ساتھ شریک ہو گئے۔ مہمان یہ دال روٹی دیکھ کر حیران رہ گیا اور سوچنے لگا کہ وہ دعوتِ شیراز کدھر گئی جس کو سعدی بار بار یاد کرتے تھے۔ شیخ سعدی اس کو حیران ہوتے دیکھ کر خود ہی بولے ''بھائی تمہارے ہاں میں جو بار بار دعوتِ شیراز کا نام لیتا تھا وہ یہی دال روٹی تھی یعنی میرے یہاں کھانے میں تکلّف نہیں ہوتا۔ مہمان خواہ کتنا ہی عرصہ قیام کرے میزبان کو بوجھ محسوس نہیں ہوتا۔ تمہارا تکلف اور کھانے پر بے تحاشا خرچ کرتے دیکھ کر مجھے تکلیف ہوئی اور میں نے تمہارے پاس زیادہ دیر قیام کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اسی لیے بہت جلد تم سے رخصت ہو کر شیراز آ گیا۔

***

قسمت کا دھنی

پاکستان کے قیام سے پہلے کے ملک ہندوستان کی تاریخ پر ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ چودھویں اور پندرھویں صدی عیسوی میں ہندوستان کے ایک بہت بڑے علاقے پر بہمن خاندان کے مسلمان بادشاہوں کی حکومت تھی۔ یہ بادشاہ دلی کے تغلق، سید اور لودی خاندانوں کے بادشاہوں کے ماتحت نہیں تھے بلکہ بالکل آزاد اور خودمختار تھے۔ بہمنی خاندان کے بادشاہوں کی حکومت دکن میں شمال کی طرف برار تک، مشرق میں تلنگانہ تک اور جنوب مغرب میں دریائے کرشنا اور سمندر تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس میں گلبرگہ، ورنگل، بیدر، احمد نگر، بیجاپور، گولکنڈہ اور کئی دوسرے شہر اور علاقے شامل تھے۔ بہمنی خاندان اور سلطنت کا بانی حسن نامی ایک غریب شخص تھا۔ وہ قسمت کا ایسا دھنی تھا کہ ایک دن ایک بڑے ملک کا بادشاہ بن گیا اور تاریخ میں سلطان علاؤالدین حسن گانگو بہمنی کے نام سے مشہور ہوا پھر یہ بادشاہت اس کی اولاد میں تقریباً دو سَو سال تک قائم رہی۔

حسن کون تھا اور کہاں سے آیا تھا، اس کے بارے میں بہت سے مؤرخین نے طرح طرح کے خیالی گھوڑے دوڑائے ہیں لیکن سولھویں صدی عیسوی کا مشہور مُؤرِخ محمد قاسم فرشتہ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ حسن نامی ایک شخص سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانۂ حکومت (۱۳۲۰ء تا ۱۳۲۴ء) کے دوران میں یا اس سے کچھ پہلے دلی آیا۔ غریبی اور تنگ دستی نے اس کو سخت پریشان

کر رکھا تھا اس لیے اس نے اپنا پیٹ پالنے کی خاطر گنگونامی ایک امیر برہمن کی ملازمت اختیار کر لی۔ یہ برہمن ستاروں کا علم جانتا تھا اور سلطان غیاث الدین تغلق کا بیٹا شہزادہ محمد تغلق اس کو بہت مانتا تھا۔ گنگو برہمن لوگوں میں گنگو بہمن نجومی کے نام سے مشہور تھا۔ حسن بڑا صحت مند اور کڑیل جوان تھا۔ گنگو بہمن نے حسن کو دلی کے قریب اپنی ایک بنجر زمین کو آباد کرنے کے کام پر لگا دیا اور اس مقصد کے لیے اس کو بیلوں کی ایک جوڑی اور دو مزدور دیے اور اس سے کہا کہ اس زمین میں ہل چلا کر اس کو کھیتی باڑی کے قابل بناؤ اور اپنا پیٹ پالو۔ حسن بیل ہل اور مزدور ساتھ لے کر بنجر زمین پر پہنچ گیا اور مزدوروں کو زمین کھود کر اسے ہموار کرنے پر لگا دیا۔ جب یہ ہموار ہو گئی تو اس میں ہل چلانا شروع کر دیا۔ وہ ہر روز صبح سویرے، مزدوروں اور بیلوں کو ساتھ لے کر زمین پر پہنچ جاتا اور پھر سب باری باری اس میں ہل چلانے لگتے۔ ایک دن حسن (یا ایک مزدور) ہل چلا رہا تھا کہ ہل کی نوک زمین کے اندر پھنس گئی۔ اس نے بڑا زور لگایا لیکن ہل آگے چلنے کا نام نہ لیتا تھا۔ اس نے غور سے دیکھا تو ہل کی نوک کو ایک زنجیر میں پھنسا ہوا پایا۔ یہ زنجیر ایک بڑے برتن کے منہ سے بندھی ہوئی تھی۔ اس نے زمین کھود کر برتن کو باہر نکالا اور اس کا ڈھکنا اٹھایا تو اس کو سلطان علاؤالدین خلجیؒ کے زمانے (۱۲۹۵عیسوی سے ۱۳۱۵عیسوی تک) کے سونے کے سکّوں اور اشرفیوں سے لبالب بھرا پایا۔ وہ چاہتا تو یہ ساری دولت (یا اس کا کچھ حصہ) اپنے پاس رکھ سکتا تھا لیکن اس کی ایمانداری نے یہ بات پسند نہ کی کہ اپنے آقا کی دی ہوئی زمین میں سے نکلے ہوئے مال میں خیانت کرے۔ اس نے یہ ساری دولت ایک چادر میں باندھی اور سیدھا گانگو بہمن کے مکان پر پہنچا۔ جب یہ مال اس نے گانگو کے سامنے رکھا اور اس کو بتایا کہ یہ اس کی زمین سے نکلا ہے تو وہ حسن کی ایمانداری

دیکھ کر حیران رہ گیا اور دوسرے دن صبح ہوتے ہی اس نے یہ سارا واقعہ اپنے دوست شہزادہ محمد تغلق کو بتایا۔ شہزادے کو یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی کہ ایک معمولی غریب آدمی بھی ایسا ایماندار اور سچا ہو سکتا ہے۔ شہزادے نے اسے بلا بھیجا۔ حسن شہزادے کی خدمت میں حاضر ہوا تو شہزادے کو اس کا حلیہ صاف ستھرا سادہ لباس اور گفتگو سب چیزیں بہت پسند آئیں اور اس نے اپنے والد سلطان غیاث الدین تغلق کو اس کی ایمانداری کا سارا قصہ سنایا۔

بادشاہ پر اس کا بہت اثر ہوا اور اس نے حسن کو ڈھیر سارا انعام دے کر اپنے درباری امیروں میں شامل کر لیا۔

اس سے پہلے ایک اور واقعہ بھی حسن کو پیش آیا تھا جس کا ذکر محمد قاسم فرشتہ اور بعض دوسرے مؤرخوں نے خاص طور پر کیا ہے۔

واقعہ یہ تھا کہ دلی میں محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے ولی گزرے ہیں۔ (ولی اُس نیک انسان کو کہتے ہیں جو بڑا پرہیز گار، اللہ کی عبادت کرنے والا مخلوقِ خدا کی خدمت کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہو) جس زمانے میں حسن دلی آیا سارے ملک میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی پرہیز گاری اور کرامتوں کی شہرت پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ دور دور سے برکت اور دعا کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ان کا دروازہ غریب امیر سب کے لیے کھلا رہتا تھا۔ ایک دن خواجہ صاحبؒ کی دعوت پر شہزادہ محمد تغلق اور بہت سے دوسرے مہمان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کی بہت خاطر مدارات کی اور سب کو طرح طرح کے کھانے کھلا کر رخصت کیا۔ اتفاق سے جس وقت شہزادہ محمد تغلق خواجہ صاحب کی خانقاہ کے دروازے سے نکل رہا تھا اسی دروازے سے حسن خانقاہ کے اندر داخل ہو رہا تھا۔ وہ دعا کی غرض سے

خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو خواجہ صاحبؒ نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور فرمایا: ''ایک بادشاہ گیا اور دوسرا بادشاہ آیا۔'' ایک بادشاہ گیا سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ شہزادہ محمد تغلق جو ابھی ان کے پاس سے گیا ہے' ایک دن بادشاہ بنے گا اور دوسرا بادشاہ آیا سے آپ کی مراد یہ تھی کہ ایک دن حسن بھی بادشاہ بنے گا۔ شہزادہ محمد تغلق کا بادشاہ بننا تو یقینی تھا کیونکہ اپنے والد سلطان غیاث الدین تغلق کے تخت اور تاج کا وہی وارث تھا۔ حیران کرنے والی بات تو یہ تھی کہ خواجہ صاحبؒ نے ایک غریب پردیسی کو بادشاہ بننے کی خوشخبری کیسے دے دی جب کہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات اپنے خاص بندوں کو غیب کی یا آیندہ پیش آنے والی باتیں بتا دیتا ہے یا ان کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو قیافہ شناسی کا علم بھی عطا کرتا ہے یعنی وہ دوسرے انسان کے چہرے مُہرے یا خدوخال کو دیکھ کر اس کا برا بھلا پہچان جاتے ہیں۔ واقعہ کی صورت کچھ بھی ہو' یہ روایت بہت مشہور ہے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے حسن کو (بہت عرصہ بعد) بادشاہ بننے کی خوشخبری دی اور اس کے حق میں دعا کی۔

حسن نے خواجہ صاحب سے اپنے بارے میں ''بادشاہ'' کا لفظ سنا تو وہ بہت حیران ہوا اور خواجہ صاحبؒ کے قدموں پر گر کر کہنے لگا۔

''حضور! میں تو ایک غریب پردیسی ہوں' دین دنیا کے بادشاہ تو آپ ہیں' میں تو آپ کی دعا کا محتاج ہوں اور اسی لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔''

خواجہ صاحبؒ نے حسن کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور ایک خادم سے کہا' اس نوجوان کے لیے کھانا لاؤ۔

خادم نے آہستہ سے عرض کیا: ”حضور! مہمانوں کے لیے جو کھانا تیار کیا گیا تھا وہ تو ختم ہو چکا ہے۔“

خواجہ صاحبؒ! اس دن روزے سے تھے آپ نے فرمایا:

”میرے افطار کے لیے جو کھانا رکھا ہے وہی لے آؤ۔“

خادم وہ کھانا لے کر حاضر ہوا تو آپ نے اس میں روٹی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا انگلی کے سرے پر رکھ کر حسن کو دیا اور فرمایا: یہ دکن کی بادشاہت کا تاج ہے جو بڑی محنت اور بڑے عرصہ کے بعد تیرے سر پر رکھا جائے گا۔ پھر باقی کھانا بھی آپ نے حسن کو عطا فرمایا اور اس کے لیے خیر کی دعا کی۔

اب گانگو بہمن کی سنیے کہ جب حسن شاہی دربار کا امیر بن گیا تو ایک دن اس نے حسن کی قسمت کا زائچہ بنایا۔ زائچہ جنم پتری یا کنڈلی کو کہتے ہیں۔ یہ ایک کاغذ ہوتا ہے جس پر ستاروں کا علم جاننے والے لکیریں وغیرہ کھینچ کر پیدا ہونے والے بچے کے مستقبل یا کسی شخص کی قسمت کا حال بتاتے ہیں۔ پھر گانگو نے حسن سے کہا:

”حسن تمہاری قسمت کا زائچہ بتاتا ہے کہ تم قسمت کے دھنی ہو کسی دن بہت بڑے آدمی بنو گے۔ جب تمہیں یہ رتبہ مل جائے گا تو کیا تم میرا کوئی کام کرو گے؟“

حسن، گانگو بہمن کو اپنا مُحسن سمجھتا تھا اس نے فوراً کہا:

”اگر اللہ نے مجھے کوئی ایسا رتبہ دیا تو جو جائز کام آپ کہیں گے میں ضرور کروں گا۔“

گانگو نے کہا:

”جب خدا تجھے دنیا میں کوئی بڑا رتبہ دے تو اپنے نام کے ساتھ میرا نام بھی اپنے نام کا حصہ بنا کر لکھنا تاکہ تمہاری وجہ سے میرا نام بھی

ہمیشہ زندہ رہے اور جب خدا تمہیں اختیار دے تو خزانچی کے عہدے
پر مجھے اور میرے بعد میری اولاد کے سوا اور کسی کو نہ رکھنا۔ میرے
ساتھ وعدہ کرو کہ میری یہ دو باتیں پوری کرو گے۔"

حسن نے وعدہ کیا کہ جب کبھی مجھے اختیار والا بلند رتبہ ملا' میں یہ باتیں ضرور پوری کروں گا۔ چنانچہ وہ امیری کے عہدے سے بادشاہ بننے تک عمر بھر اپنے نام کے ساتھ گانگو بہمنی لکھتا رہا۔ اس کی اولاد میں جو بادشاہ ہوئے وہ بھی اپنے نام کے ساتھ بہمنی لکھتے رہے اور گانگو بہمن کی اولاد کو شاہی خزانچی مقرر کرتے رہے۔

بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ حسن فارس کے بادشاہ بہمن کی اولاد سے تھا اس لیے اسے بہمنی کہا جاتا ہے لیکن زیادہ مشہور کہانی یہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔

حسن نے شاہی دربار کا امیر بن کر ظفر خان کا خطاب حاصل کیا جب سلطان محمد تغلق نے دکن کے شہر دیوگڑھ کو دولت آباد کا نام دے کر اپنا دارالحکومت بنایا تو حکم جاری کیا کہ جس کا جی چاہے خواہ وہ کوئی عہدے دار ہو یا درباری امیر وہ دولت آباد جا کر رہ سکتا ہے۔ اس حکم کے جاری ہوتے ہی حسن گانگو بہمنی دولت آباد چلا گیا۔ وہاں اسے کچھ علاقے جاگیر میں مل گئے۔ کچھ عرصہ بعد محمد تغلق نے اپنے کچھ امیروں کو نافرمان قرار دے کر قتل کرا دیا۔ اس پر بادشاہ کے خلاف بہت سے امیروں نے بغاوت کر دی۔ ان سب نے مل کر حسن گانگو بہمنی کو اپنا سردار بنا لیا۔ اس نے شاہی فوجوں کو شکستوں پر شکستیں دے کر دکن سے نکال دیا اور خود ۱۳۴۷ عیسوی میں علاؤالدین حسن گانگو بہمنی کے نام سے دکن کا خودمختار بادشاہ بن گیا۔ گلبرگہ کو اس نے اپنا دارالحکومت بنایا۔ ۱۳۵۸ء میں اس کی وفات کے بعد اس کی اولاد نے دو سو سال سے زیادہ عرصہ تک دکن میں بادشاہت کی۔ پھر یہ سلطنت کئی ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ (عماد شاہی' قطب شاہی' نظام شاہی' برید شاہی' عادل شاہی)

درویش وزیرِاعظم

دکن کے بہمنی خاندان کا ذکر پیچھے آ چکا ہے۔ اس خاندان کا تیرھواں بادشاہ محمد شاہ ثانی بہمنی تھا۔ اس نے ۱۴۶۳ءعیسوی سے ۱۴۸۲ءعیسوی تک حکومت کی۔ اس کی وسیع سلطنت ہزارہا مربّع میل پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس بادشاہ کے سب سے بڑے وزیر (وزیراعظم) کا نام خواجہ محمود گاواں تھا۔ (بعض نے گاواں کے بجائے کاواں لکھا ہے۔) اس کا اصل نام خواجہ عمادالدین محمود تھا اور وہ ایران کے مشہوشہر گیلان کے قریب ایک گاؤں گاواں (یا کاواں) میں ایک نہایت معزّز خاندان میں پیدا ہوا۔ اسی گاؤں کی نسبت سے اس نے محمود گاواں کے نام سے شہرت پائی۔ اس کے باپ دادا اور کئی دوسرے بزرگ گیلان کے بادشاہوں کے وزیر رہے تھے۔ خواجہ محمود گاواں نے بڑی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور کئی دینی علوم وفنون میں اس کو درجۂ کمال حاصل ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ وہ ایک اونچے درجے کا ریاضی دان' طبیب اور شاعر تھا اور اس کی لکھائی اتنی عمدہ ہوتی تھی کہ بڑے بڑے خوش نویس (کاتب) اس پر رشک کرتے تھے۔ وہ قرآن وحدیث اور فقہ کا نہ صرف خود بڑا عالم تھا بلکہ علماء کا بے حد قدر دان بھی تھا۔ خواجہ نے تعلیم سے فارغ ہو کر تجارت کا پیشہ اختیار کیا اور اپنی لیاقت اور ایمانداری کی بدولت بہت بڑے تاجروں میں شمار ہونے لگا۔ وہ بہمنی بادشاہ علاؤالدین کے عہد حکومت (۱۴۳۵ء تا ۱۴۵۸ء) میں

کسی وقت تجارت کے سلسلے میں دکن (ہندوستان) آیا۔ اتفاق سے ایک دن اس کی ملاقات بادشاہ علاؤالدین بہمنی سے ہوگئی۔ ملاقات کے دوران میں بادشاہ نے محسوس کیا کہ محمود گاواں نہایت قابل آدمی ہے اور بڑی خوبیوں کا مالک ہے۔ اس نے خواجہ کو شاہی ملازمت پر راضی کرلیا اور اسے اپنے دربار میں ایک اعلیٰ عہدے پر مقرر کردیا۔ علاؤالدین بہمنی کے بعد ہمایوں شاہ بہمنی، نظام شاہ بہمنی اور محمد شاہ ثانی بہمنی بادشاہ بنے۔ ان سب نے خواجہ محمود کی قدر دانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور اسے اپنے اپنے دربار میں اعلیٰ عہدے پر مقرر کیا۔ یہاں تک کہ محمد شاہ ثانی بہمنی (۱۴۶۳ء تا ۱۴۸۲ء) نے اس کو اپنا سب سے بڑا وزیر (وزیراعظم) مقرر کردیا۔ یہاں سے خواجہ محمود گاواں کی زندگی کا وہ زمانہ شروع ہوا جس کی بدولت اس کو تاریخ میں ''درویش وزیراعظم'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس سے پہلے بھی اس نے بڑے بڑے عہدے پاکر اپنے دماغ میں کبھی غرور کو جگہ نہ دی تھی اور جہاں سرکاری کاموں کو نہایت ایمانداری اور محنت سے انجام دیا تھا وہاں عام لوگوں کی خدمت میں بھی اپنے آپ کو مصروف رکھا تھا۔ وزیراعظم بننے کے بعد تو اس نے اپنی زندگی کو درویشی میں بدل لیا۔ وہ بالکل سادہ اور معمولی لباس پہنتا اور پلنگ یا گدوں کو چھوڑ کر چٹائی پر سوتا۔ اس نے شہر بھر میں ایک بڑا دینی مدرسہ بھی قائم کیا جس میں سینکڑوں طلبہ تعلیم پاتے تھے۔ ان کو کھانا اور کتابیں وغیرہ سب چیزیں خواجہ کی طرف سے دی جاتی تھیں۔ خواجہ سلطنت کے کاموں سے فارغ ہو کر مسجد میں درویشوں کے پاس جا بیٹھتا۔ اسے علماء اور درویشوں سے بڑی محبت اور عقیدت تھی۔ ان کے حالات معلوم کرتا رہتا کوئی بیمار ہو جاتا تو اس کی تیمارداری کرتا۔ کسی کو کوئی تکلیف ہوتی تو اسے دور کرتا کسی کو کوئی حاجت ہوتی تو وہ پوری کرتا۔ وہ راتوں کو بھیس بدل کر اشرفیاں اور روپے لے کر گلی گلی

گھومتا اور ضرورت مندوں میں یہ دولت تقسیم کرتا اور ان سے کہتا کہ یہ بادشاہ کی طرف سے تحفہ ہے' بادشاہ کی عمر اور ملک کی ترقی کی دعا کرو۔

خواجہ کی خوراک بھی بالکل سادہ ہوتی تھی خود تو روکھی سوکھی روٹی کھا کر اللہ کا شکر ادا کرتا تھا لیکن درویشوں اور طلبہ کو اچھے سے اچھے کھانے کھلاتا تھا۔ اسے جو تنخواہ ملتی وہ غریب محنتی اور بے سہارا لوگوں میں تقسیم کر دیتا اور اپنے پاس صرف اتنی ہی رقم رکھتا جس سے غریبانہ طور پر گزراوقات ہو سکے۔

خواجہ محمود گاواں نے اپنی تجارت کے زمانے میں جو مال اسباب اور زروجواہر جمع کیے تھے۔ وہ سب اس نے علماء' درویشوں اور غریبوں میں تقسیم کر دیے تھے اور صرف کتابیں ہاتھی اور گھوڑے اپنے پاس رکھے تھے۔ اس کے ایک نہایت پیارے دوست شمس الدین محمد نے اس سے پوچھا' اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نے اپنا سارا مال اسباب تو لوگوں میں بانٹ دیا ہے لیکن کتابیں گھوڑے اور ہاتھی اپنے پاس ہی رکھے ہیں؟

خواجہ نے جواب دیا:

"میں ان تینوں چیزوں کو اپنی ملکیت نہیں سمجھتا کتابوں کے مالک تو طلبہ ہیں یہ انہی کو دی جائیں گی' باقی رہے گھوڑے اور ہاتھی تو ان کا مالک بادشاہ ہے۔ یہ کچھ دنوں کے لیے میرے پاس ہیں پھر انہیں شاہی اصطبل میں پہنچا دیا جائے گا۔"

خواجہ محمود کی رحم دلی کا یہ حال تھا کہ کبھی کوئی مصیبت کا مارا آدمی اس کے پاس آتا تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے اور آنے والے کی مصیبت دور کرنے کے لیے اس سے جو کچھ ہو سکتا تھا کرتا تھا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اس کے دروازے سے کوئی خالی ہاتھ گیا ہو۔

خواجہ محمود گاواں صرف ایک لائق وزیر اور درویش انسان ہی نہیں تھا بلکہ ایک دانا اور بہادر جرنیل بھی تھا۔ کئی موقعوں پر جب بادشاہ کے خلاف بغاوت ہوئی یا اس کی سلطنت کے پڑوسی دشمنوں نے اس کے خلاف سر اٹھایا تو بادشاہ نے باغیوں اور دشمنوں کی سرکوبی کے لیے خواجہ کو فوج دے کر بھیجا۔ خواجہ نے ایک سپہ سالار کی حیثیت سے اپنی فوج کو ایسے عمدہ طریقے سے لڑایا کہ دشمن ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔

خواجہ کی درویشانہ زندگی' غریبوں سے ہمدردی' یتیموں اور بیواؤں کی سرپرستی' علم دوستی' رحم دلی' سخاوت اود دوسری نیک عادتوں نے اس کو اس قدر ہر دلعزیز بنا دیا تھا کہ سلطنت کے دوسرے امیر اور سرکاری افسر اس سے حسد کرنے لگے تھے۔ ان لوگوں نے خواجہ کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لیے یہ منصوبہ بنایا کہ بادشاہ کو خواجہ کے خلاف کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے خواجہ کی طرف سے بادشاہ کے ایک دشمن کے نام ایک جعلی خط تیار کیا جس میں بادشاہ (محمد شاہ بہمنی) کے خلاف بہت کچھ لکھا گیا تھا اور دشمن کو بادشاہ کے خلاف بغاوت کرنے پر اکسایا گیا تھا۔ حاسد شاہی امیروں نے یہ جعلی خط بادشاہ کے سامنے اس وقت پیش کیا جب وہ نشے کی حالت میں تھا۔ بادشاہ یہ خط پڑھ کر غصے سے دیوانہ ہو گیا اور تحقیق کیے بغیر جلاد جوہر حبشی کو حکم دیا کہ خواجہ محمود گاواں نے نمک حرامی کی ہے اس کو فوراً قتل کر دو۔ خواجہ اس وقت دربار میں موجود تھا۔ اس نے اپنی بے گناہی کی قسم کھائی اور کہا کہ یہ خط میں نے ہرگز نہیں لکھا' کسی نے میری مُہر چُرا کر اس پر لگائی ہے لیکن بادشاہ نے ایک نہ سنی اور خواجہ کے قتل کا حکم دے کر محل کے اندر چلا گیا۔ اس کے جانے سے پہلے خواجہ نے یہ الفاظ کہے۔

"مجھ بوڑھے کو موت کے گھاٹ اتارنا آسان ہے لیکن یہ یاد رکھو کہ میرا

خون تمہاری بدنامی اور سلطنت کی تباہی کا باعث ہوگا۔'' بادشاہ پر خواجہ کی بات کا کچھ اثر نہ ہوا۔ جوہر حبشی اب تلوار سونت کر خواجہ کی طرف بڑھا' خواجہ قبلہ کی طرف منہ کر کے دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے کلمہ شہادت پڑھا اور کہا کہ اللہ کی حمد جس نے مجھے شہادت کی نعمت بخشی اس کے ساتھ ہی جوہر حبشی نے تلوار کے وار سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا............

یہ واقعہ یکم اپریل ۱۴۸۱عیسوی کو پیش آیا۔ خواجہ کی شہادت کی خبر پھیلی تو ہر طرف کہرام مچ گیا۔ ملک بھر میں کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جس نے آنسو نہ بہائے ہوں۔ بعد میں بادشاہ کو پتا چل گیا کہ اس سے فریب کیا گیا ہے اور اس سے خواجہ کو ناحق قتل کرایا گیا ہے حالانکہ وہ اس کا سچا خیر خواہ تھا لیکن اب پچھتانے کے سوا کیا ہوسکتا تھا۔ وہ روزانہ خواجہ کو بار بار یاد کرتا اور پشیمانی کے آنسو بہاتا تھا............ اس غم اور پچھتاوے نے مرتے دم (۱۴۸۲ء) تک اس کا پیچھا نہ چھوڑا جب کہ خواجہ کو یاد کر کے دکن کے لوگ سالہا سال تک روتے رہے اور اس کی بخشش کے لیے دعائیں کرتے رہے۔ خواجہ محمود گاواں کی شہادت کے جلد ہی بعد بہمنی سلطنت پر زوال آ گیا اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ۱۵۲۶عیسوی میں بالکل ختم ہوگئی۔

***

استاد کا تھپڑ

ہندوستان کے مغل بادشاہ شاہ جہاں کو اپنے بیٹے اورنگ زیب (عالمگیر) کے لیے اتالیق (استاد، تربیت کرنے والے) کی تلاش ہوئی تو اس کی نظر دین کے ایک بہت بڑے عالم مُلّا عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی جو ریاست کپورتھلہ (اب بھارت میں ہے) کے ایک قصبے سلطان پور میں رہتے تھے اور ایک دینی مدرسے میں لڑکوں کو تعلیم دیتے تھے۔ بادشاہ نے مُلّا صاحب کو شہزادے کا اتالیق مقرر کر کے انھیں لکھا کہ آپ دِلّی تشریف لائیں۔ مُلّا صاحب نے بادشاہ کو لکھ بھیجا کہ پیاسا کنوئیں کے پاس آتا ہے نہ کہ کنوآں پیاسے کے پاس۔ مُلّا صاحب نے بادشاہ کو ایسا جواب اس لیے دیا تھا کہ ان کے دِلّی جانے کے نتیجے میں سلطان پور کا دینی مدرسہ اجڑ جاتا تھا اور بیسیوں طالب علموں کی تعلیم ادھوری رہ جاتی تھی۔ بادشاہ علما کا بہت قدردان تھا اور ان کی بہت عزت کرتا تھا۔ اس نے شہزادے کو ایک خادم کے ساتھ مُلّا صاحب کے پاس سلطان پور بھیج دیا۔

ایک دن شہزادے نے سبق یاد نہ کیا تو مُلّا صاحب نے اس کو ایسا زوردار تھپڑ مارا کہ اس کی ناک سے خون بہنے لگا۔ خادم نے اس واقعہ کی اطلاع بادشاہ کو دی تو شاہی بیگمات اور شہزادے کی بہنوں کو سخت غصہ آیا اور انھوں نے بادشاہ سے کہا کہ مُلّا صاحب کو سخت سزا دی جائے۔ لیکن نیک بادشاہ کے نزدیک استاد کا مرتبہ بہت بلند تھا اور اس کو پورا حق تھا کہ اپنے شاگرد کو سبق یاد نہ کرنے پر سزا دے۔ اس نے

فرمان جاری کیا کہ مُلّا صاحب کو ہزار بیگھہ زمین سلطان پور کے رقبہ سے دی جائے۔ ملا صاحب کو اس فرمان کا علم ہوا تو انھوں نے بادشاہ کو لکھ بھیجا کہ اللہ تعالیٰ مجھے مانگے بغیر وافر رزق دے رہا ہے' مجھے زمین کی ضرورت نہیں۔ بادشاہ نے بہت اصرار کیا کہ وہ یہ زمین قبول کرلیں لیکن مُلّا صاحب نے انکار کردیا۔ آخر کار بادشاہ نے یہ زمین مدرسہ کے نام وقف کردی۔

***

۱- حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' رات کا کھانا مت چھوڑو اس سے بڑھاپا جلد آجاتا ہے۔

(کتاب الطب ابونعیمؒ)

۲- حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ مبغوض ہمیشہ لڑنے جھگڑنے والا آدمی ہے۔ (صحیح بخاری)

غریب بوڑھے کا بوجھ

ہندوستان (بھارت) میں ایک مشہور قصبہ کاندھلہ ہے۔ انیسویں صدی عیسوی میں کاندھلے میں ایک بزرگ مولانا مظفر حسین گزرے ہیں۔ وہ بہت ہی نیک' عبادت گزار اور زبردست عالم تھے اور ان کا شمار ملک کے بڑے خداترس علماء میں ہوتا تھا۔ وہ بہت سادہ لباس پہنتے تھے اور ان کی بول چال بھی اتنی سادہ ہوتی تھی کہ کسی ناواقف کو یہ گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ وہ کوئی بہت بڑے عالم ہیں۔ ایک دن مولانا مظفر حسین پیدل کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں انھیں ایک غریب دیہاتی بوڑھا ملا۔ وہ اسی سمت کو جا رہا تھا جس طرف مولانا جا رہے تھے۔ اس بوڑھے نے ایک بھاری بھرکم گٹھڑ سر پر اٹھا رکھا تھا اور اس کے بوجھ کے نیچے دبا جا رہا تھا یہاں تک کہ ایک ایک قدم بڑی مشکل سے اٹھاتا تھا۔ مولانا نے اس کی یہ کیفیت دیکھی تو اس سے کہا' لاؤ بھائی تمہارا یہ بوجھ میں اٹھا لیتا ہوں۔ اس نے یہ گٹھڑ مولانا کے حوالے کر دیا۔

راستے میں مولانا اور اس بوڑھے کے درمیان باتیں ہونے لگیں۔ بوڑھے نے اپنی دیہاتی زبان میں ان سے پوچھا' میاں تم کہاں رہو ہو؟ انھوں نے فرمایا' بھائی میں تو کاندھلہ میں رہوں۔ بوڑھے نے کہا' ارے وہاں مولبی مظفر حسین بڑے ولی آدمی ہیں ان کو جانتے ہو؟ مولانا نے فرمایا' بھائی! مظفر حسین میں اور تو

کوئی بات نہیں ہاں نماز پانچوں وقت کی ضرور پڑھتے ہیں۔

بڈھا بولا' واہ میاں تم ایسے بزرگ کو ایسا کہو...... پھر بڈھے نے مولانا کی تعریفیں کرنا شروع کر دیں۔ وہ اتنے نیک ہیں' اتنے دریا دل ہیں' ہر ایک کے کام آتے ہیں وغیرہ وغیرہ...... مولانا اس کی باتیں سن کر ہنس دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ بھائی میں تو ان کو ایسا نہیں سمجھتا۔

اتنے میں مولانا کو جاننے والا ایک آدمی اُدھر آ نکلا۔ اس نے مولانا کی بے حد تعظیم و تکریم کی اور کہا' یہ اتنا بوجھ آپ کیوں اٹھائے ہوئے ہیں۔ لائیے اسے میں اٹھا لوں......... اب بوڑھے کو معلوم ہوا کہ بوجھ اٹھانے والے خود مولانا مظفر حسین ہیں...... اب وہ مولانا سے لپٹ کر اس درد سے رویا کہ مولانا کو بھی رلا دیا۔ ایسے ہوتے تھے پرانے وقتوں کے نیک بزرگ۔

❀ ❀ ❀

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اے بیٹے بہت نہ ہنسا کرو کیونکہ زیادہ ہنسا دل کو مردہ بنا دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

دوستی ہوتو ایسی ہو

خورجہ بھارت کے صوبہ اُتّر پردیش کا ایک مشہور شہر ہے۔ پچھلی (بیسویں) صدی عیسوی میں اس شہر میں خان بہادر غلام قادر خان ایک مشہور رئیس گزرے ہیں۔ وہ اچھی خاصی عمر کو پہنچ چکے تھے' تاہم ان کی خوش قسمتی تھی کہ ابھی تک ان کے والد کا سایہ ان کے سر پر قائم تھا۔ والد بہت بوڑھے ہو چکے تھے مگر بڑے زندہ دل اور دانا بزرگ تھے۔ انھوں نے پرانے بزرگوں کا زمانہ دیکھ رکھا تھا اور اکثر ان کے واقعات بیٹے کو سناتے رہتے تھے۔ ایک دن انھوں نے بیٹے سے پوچھا' بھئی تمہارے کتنے دوست ہیں؟

خان بہادر نے کئی نام بتلائے۔

ان کے والد نے کہا:

"مجھے ان دوستوں میں سے صرف تین ایسے دوستوں کے نام بتاؤ جن پر تم کو پورا بھروسا ہو کہ اگر تم پر کوئی مصیبت آپڑے تو وہ تمہاری مدد کریں گے۔"

بیٹے نے سوچ کر تین نام بتا دیے۔ والد نے کہا کہ ان کی دوستی کو اس طرح آزماؤ کہ باری باری ان سے ملو اور اپنی مصیبت کی فرضی کہانی سنا کر ان سے کچھ رقم طلب کرو اور ساتھ ہی کہو کہ شاید میں یہ رقم واپس نہ کرسکوں چنانچہ خان بہادر غلام قادر خان تینوں دوستوں سے ملے اور اپنی مصیبت کی فرضی کہانی سنا کر ان سے کچھ رقم مانگی۔ ان تینوں نے کوئی بہانہ بنا کر رقم دینے سے انکار کر دیا مثلاً یہ کہ

آج کل ہاتھ تنگ ہے یا یہ کہ میرے ہاں چوری ہوگئی اور چور ہمیں کنگال کر گئے۔
بیٹے نے یہ سارا قصہ والد کو بتایا تو انھوں نے کہا:

"بیٹے! اب زمانہ بدل گیا ہے۔ پرانے وقتوں کے لوگ کسی کو دوست بناتے تھے تو اس کی خاطر ہر طرح کی قربانی دینے کے لیے تیار رہتے تھے۔ میں نے ساری عمر میں صرف ایک شخص کو دوست سمجھا ہے اب تو ان سے ملے ہوئے عرصہ گزر چکا ہے' چلو ان کو بھی آزمائیں۔"

چنانچہ آدھی رات کے وقت دونوں باپ بیٹے ان کے مکان پر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ ان کی بیوی نے کواڑوں کے پیچھے کھڑے ہو کر نام پوچھا: والد نے نام بتایا تو انھوں نے دروازے میں (جس کو دوباری کہا جاتا تھا) بیٹھنے کے لیے کہا اور خود اندر گئیں۔ اپنے شوہر کو جگا کر خان صاحب کا نام بتایا۔ وہ اٹھے اور آواز دے کر کہا:

"میں ابھی آتا ہوں آپ تشریف رکھیے۔"

بیس پچیس منٹ کے بعد وہ باہر آئے اور سلام دعا کے بعد کہا:

"بھائی تمہارے ناوقت آنے سے میں نے خیال کیا کہ کوئی خاص ضرورت ہے جس نے تمہیں اس وقت آنے پر مجبور کیا۔ اگر یہ ضرورت روپے پیسے کی ہے تو اپنی حیثیت کے مطابق دس بیس روپے جو میرے پاس ہیں' وہ حاضر ہیں۔ اگر ضرورت زیادہ کی ہے تو یہ میری بیوی کا زیور حاضر ہے۔ اجازت میں نے بیوی سے حاصل کر لی ہے کہ یہ زیور تم بیچ کر اپنی ضرورت پوری کر سکتے ہو۔ اگر شہر سے باہر کہیں جانا ہے تو بیوی نے جلدی میں یہ ناشتہ تیار کر دیا ہے۔ اسے ساتھ لے لیں اور اگر کسی دشمن کا مقابلہ کرنا ہے تو یہ تلوار میں اپنے

ساتھ لایا ہوں۔تمہارے ساتھ مل کر دشمن کا مقابلہ کروں گا۔''

یہ سن کر غلام قادر خان کے والد نے اپنے ان دوست کو گلے لگا لیا اور کہا' مجھے آپ سے یہی امید تھی اور اپنے بیٹے سے کہا:

''بیٹا! تم نے دیکھا' پرانے وقتوں کے دوست کیسے ہوتے ہیں۔ اگر تمہیں دوست بنانے کا شوق ہو تو ایسا ایک دوست بھی بنا لینا کافی ہے ورنہ کسی کو دوست مت کہو۔ اگر میرے یہ دوست میرے پاس بھی رات کو آتے تو تم دیکھتے کہ جس طرح وہ میری مدد کے لیے تیار ہو گئے میں بھی اسی طرح ان کی مدد کے لیے تیار ہو جاتا۔''

یہ تھے اس زمانے کے دوست جو دوستی نباہنے کی خاطر جان پر کھیلنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔

***

رمضان کے روزوں پر جانیں قربان کر دیں

۱۹۱۸ء عیسوی کا ذکر ہے کہ برطانیہ (انگلستان) کا ایک بحری جہاز اٹینٹو (Attentive) اپنے ملک کے ساحل سے یورپ کے شمال میں بحیرۂ ابیض (سفید پانی کا سمندر) کی ایک بندرگاہ کرمان کی طرف روانہ ہوا۔ یہ بندرگاہ قطب شمالی کے قریب ایک ایسے برفانی علاقے میں ہے جہاں سورج غروب نہیں ہوتا۔ برطانیہ کے اس جہاز میں بہت سے مسلمان بطور خلاصی ملازم تھے۔ وہ جہاز میں مزدوروں یا قلیوں کی طرح مختلف قسم کے کام کرتے تھے۔ یہ مسلمان خلاصی بالکل ان پڑھ اور سادہ لوگ تھے لیکن ان سب کو اپنے دین اسلام سے بڑی محبت تھی۔ جہاز جب ایسے علاقے میں پہنچا جہاں سورج غروب نہیں ہوتا تو رمضان کا مہینہ آ گیا۔ جہاز کے افسروں اور چھوٹے ملازموں کسی کو معلوم نہیں تھا کہ اس علاقے میں سورج غروب نہیں ہوتا۔ تمام مسلمان خلاصیوں نے روزہ رکھ لیا۔ بارہ تیرہ گھنٹے کے بعد انھوں نے روزہ افطار کرنے کے لیے شدت سے شام کا انتظار شروع کر دیا لیکن سورج غروب ہونے کا نام ہی نہیں لیتا اور نہ شام ہوتی تھی۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا تھا۔ روزہ دار خلاصی بھوک پیاس سے نڈھال ہوتے جاتے تھے لیکن ان میں سے کوئی اپنا روزہ توڑنے پر تیار نہ ہوتا تھا۔ ان کا اس عقیدے پر پختہ ایمان تھا کہ روزہ توڑنے سے سخت گناہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ

ناراض ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ایک کر کے کتنے ہی خلاصی فوت ہو گئے۔ ان کو مرتا دیکھ کر بھی زندہ بچنے والے اپنا روزہ توڑنے پر تیار نہ ہوئے۔ جہاز کے افسروں کو بھی پتا چل گیا کہ اس علاقے میں سورج غروب نہیں ہوتا۔ اگر کچھ دن اور اس علاقے میں رہے تو باقی خلاصی بھی مر جائیں گے لیکن روزہ نہیں توڑیں گے۔ چنانچہ انھوں نے جہاز کا رخ واپس برطانیہ کی طرف موڑ دیا۔ جہاز تیزی سے سفر کرتا ہوا برطانیہ کے سمندری علاقے میں پہنچ گیا جہاں ہر روز سورج طلوع اور غروب ہوتا تھا۔ اب جا کر روزہ داروں نے روزہ افطار کیا اور ان کی جانیں بچ گئیں۔

(''سچی باتیں'' عبدالماجد دریابادی مرحوم بحوالہ سر ڈبلیو ڈی آرنلڈ اسلامک فیتھ ص ۲۱۱، ۲۱۲)

* * *

حدیثِ نبوی ﷺ

(۱)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا و لیکن تمہارے دلوں اور تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے۔ (صحیح مسلم)

حدیثِ نبوی ﷺ

(۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود وہاں نہ بیٹھے۔ (بخاری و مسلم)

ایسے بھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

پاکستان بننے سے کچھ عرصہ پہلے کا ذکر ہے کہ ہندوستان کے ایک شہر کپورتھلہ مین دین کے ایک بڑے عالم مولانا محمود علی شاہ رہتے تھے۔ وہ رندھیر کالج کپورتھلہ میں عربی کے پروفیسر تھے۔ وہ نہایت نیک اور سچے مسلمان تھے۔ انھوں نے اونچے درجے کی کئی دینی کتابیں لکھیں جو مسلمانوں میں بہت مقبول ہوئیں۔ ان میں سے کچھ کتابوں کے نام یہ ہیں۔

دین و دولت، دین و دانش، سنت و بدعت

ترجمہ قصیدہ بردہ شریف

مولانا ہر ماہ اپنی تنخواہ سے کچھ رقم بچا کر الگ رکھ لیتے تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ جب اتنی رقم جمع ہو جائے جس سے (قرض لیے بغیر) ایک مکان بنوایا جا سکے تو وہ اپنا مکان بنوالیں گے۔ آخر چند سالوں کے بعد وہ دن آ گیا جب مولانا اپنا ارادہ پورا کر سکیں۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور کپورتھلہ میں ایک صاف ستھرا اچھا سا مکان بنوالیا۔ ان کے ملنے والے ایک شخص کو یہ مکان اتنا پسند آیا کہ اس نے مولانا سے یہ مکان کرائے پر لینے کی خواہش ظاہر کی۔ مولانا اس پر راضی نہ ہوئے لیکن اس شخص نے اتنا اصرار کیا اور اتنی منت سماجت کی کہ مولانا کا دل پسیج گیا اور انھوں نے اسے وہ مکان کرائے پر دے دیا۔ کرائے دار بھی اپنے وعدہ

کے مطابق ہر ماہ کا کرایہ پابندی سے ادا کر دیتا تھا۔ اس طرح کئی سال گزر گئے۔ ایک دن جب کرائے دار معمول کے مطابق کرایہ ادا کرنے آیا تو مولانا نے فرمایا:

''آپ نے آج تک جس قدر رقم کرائے کے طور پر ادا کی ہے میں نے وہ سب اپنے پاس جمع کر رکھی ہے نہ اسے بنک میں جمع کرایا اور نہ اس میں سے کبھی ایک پیسہ تک خرچ کیا۔ اب یہ ساری رقم اس رقم کے برابر ہو گئی ہے جو میں نے مکان بنوانے پر خرچ کی تھی۔ اب میں اس سے زیادہ کا حق دار نہیں ہوں اس لیے آپ سے مزید کرایہ نہیں لے سکتا۔ اب دو صورتیں ہیں۔ آپ جو پسند کریں وہی اختیار کی جائے گی۔

پہلی صورت یہ ہے کہ میرے پاس جمع کرائے کی ساری رقم آپ لے لیجیے اور مکان میرے حوالے کر دیجیے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ میرے ساتھ کچہری چلیے اور مکان اپنے نام رجسٹری کرا لیجیے۔

مولانا کی گفتگو سن کر کرائے دار حیران رہ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس زمانے میں کوئی شخص اتنا پرہیز گار ہو سکتا ہے لیکن جب مولانا نے کرائے کی جمع کی ہوئی ساری رقم مکان کے کاغذات سمیت اس کے سامنے رکھ دی تو اس کو یقین آ گیا کہ ایسے نیک

''کچھ لوگ ابھی باقی ہیں جہاں میں''

اس نے مولانا کے ہاتھ چومے۔ مولانا کا بار بار شکریہ ادا کیا اور کوئی بھی صورت اختیار کرنے سے انکار کیا لیکن مولانا نے اس کی ایک نہ سنی اور اسے مجبور کر دیا کہ وہ ان کی بات مان لے۔

مشہور عالم اور ادیب مولانا جعفر شاہ ندوی پھلواروی مرحوم نے اپنے ایک

مضمون میں یہ واقعہ بیان کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ:

"مولانا محمود علی شاہ سے میرے خاصے مراسم تھے اور میں ان کے ہاں اور وہ میرے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ اس واقعے کو سننے کے بعد میرے دل میں ان کی وقعت بہت بڑھ گئی تھی۔"

جب وہ میرے پیچھے جمعہ یا کوئی اور نماز ادا کرتے تو میرے لیے یہ فیصلہ مشکل ہو جاتا کہ میں ان کا امام بن کر مزید گناہوں کا بوجھ اپنے سر لے رہا ہوں یا ان کی برکت سے میرے گناہوں کا کفارہ ادا ہو رہا ہے۔

(اردو ڈائجسٹ جنوری ٦٤ء سے ماخوذ)

***

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- جو شخص اپنے آپ کو اس طرف منسوب کرے جس کا وہ بیٹا نہیں اور عمداً ایسا کرے تو جنّت اس پر حرام ہے۔ (صحیح بخاری)

قدرت کا کرشمہ

دو جڑواں سیامی بھائی

اللہ تعالیٰ ہر شے کا پیدا کرنے والا اور مالک ہے۔ اس کے حکم کے بغیر ایک پتہ تک نہیں ہل سکتا۔ وہ چاہے تو ممکن کو ناممکن کر دے اور چاہیے تو ناممکن کو ممکن کر دے۔ بعض اوقات اس کی قدرت کا کوئی ایسا کرشمہ نظر آ جاتا ہے کہ انسان اسے دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔ کرشمہ کسی انوکھی یا انہونی بات کو کہتے ہیں۔

انیسویں صدی عیسوی میں سیام کے دو جڑواں سیامی بھائیوں کی صورت میں قدرت کے ایک کرشمے نے تریسٹھ سال تک ساری دنیا کو ہکا بکا کیے رکھا۔ یہ جڑواں بھائی ۱۸۱۱ء عیسوی میں بنکاک (تھائی لینڈ) کے قریب دریائے سیام کے کنارے ایک گاؤں میک لانگ میں پیدا ہوئے۔ ان کا باپ ایک غریب چینی ماہی گیر (مچھلیاں پکڑنے والا) تھا اور ماں ایک غریب سیامی عورت تھی۔ (ملک سیام کو اب تھائی لینڈ کہا جاتا ہے۔) ماں باپ نے اپنے ان جڑواں بچوں کے نام چانگ اور اینگ رکھے۔ پیدائش کے وقت ایک گول دائرہ شکل کی ہڈی کے ذریعے ان بچوں کی سینے کی ہڈیاں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھیں۔ اس ہڈی پر گوشت کی موٹی سی تہہ اور اس پر کھال تھی۔ اس کی لمبائی چار انچ کے قریب تھی اور سینے کے نچلے حصے تک ان کے جسم ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ ڈاکٹروں نے ان کی پیدائش کے وقت بھی اور بعد میں بھی ہمیشہ اس ہڈی کو کاٹ

کر ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنا ناممکن بتایا کیونکہ اس طرح دونوں کی موت واقع ہو سکتی تھی چنانچہ انہوں نے پوری زندگی اسی جڑواں حالت میں گزاری۔

عمر بڑھنے کے ساتھ ان بھائیوں کو جوڑنے والی ہڈی بھی بڑھ کر ساڑھے پانچ انچ ہوگئی۔ اس طرح وہ ادھر ادھر آسانی سے حرکت کرنے' اٹھنے' بیٹھنے اور چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔ بچپن ہی میں انہوں نے ایک ساتھ رہنا سیکھ لیا۔ جلد ہی اس حیرت انگیز جوڑے کی شہرت سارے ملک میں پھیل گئی۔ یہاں تک کہ انہیں شاہی دربار میں بلایا گیا جہاں ان کی خاطر مدارات کی گئی۔ ۱۸۳۰ء میں جب ان کی عمر انیس سال کی تھی' ان کا باپ فوت ہو گیا اور ان کی ماں بے سہارا ہو گئی۔

اسی زمانے میں ایک امریکی بحری کپتان ''کافن'' اور ایک اسکاچ تاجر رابرٹ ہنٹر دونوں نے مل کر ان جڑواں بھائیوں کو ان کی پریشان حال ماں سے خرید لیا اور یورپ کے مختلف ملکوں میں ٹکٹ لگا کر ان کی نمائش سے بڑا روپیہ کمایا۔ لوگ ان کو دیکھ کر حیران بھی ہوتے تھے اور خوف زدہ بھی۔ کچھ عرصہ بعد کافن اور رابرٹ ہنٹر ان کو امریکہ کے شہر بوسٹن لے گئے۔ وہاں ایک مشہور امریکی تاجر ''فینیاس ٹی بارنم'' نے چانگ اور اینگ کو کافن اور رابرٹ ہنٹر سے خرید لیا اور خود بہت بڑے پیمانے پر ان کی نمائش کر کے خوب دولت کمائی۔ اب ان جڑواں بھائیوں کو دنیا بھر میں شہرت حاصل ہو گئی۔ اسی دوران میں خود ان دونوں بھائیوں کے دل میں اپنی پہچان کا جذبہ پیدا ہو گیا اور انہوں نے اپنی مزید نمائش کرانے سے انکار کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے امریکی شہریت حاصل کر لی یعنی امریکہ کے شہری بن کر ہمیشہ کے لیے وہیں رہنے لگے۔

امریکی شہری بننے کے بعد دونوں بھائیوں نے بتیس سال کی عمر میں دو

آئرستانی (آئرلینڈ کی رہنے والی) لڑکیوں سے شادی کر لی اور دو عمدہ مکان بھی تعمیر کروا لیے۔ اب انہوں نے اپنے دن رات گزارنے کے لیے عجیب پروگرام بنا لیا۔ یہ کہ چانگ اور اس کی بیوی تین دن اور تین راتیں اینگ کے گھر گزارتے تھے پھر اینگ اور اس کی بیوی تین دن اور تین راتیں چانگ کے گھر گزارتے تھے۔ یہ انتظام سالہا سال تک جاری رہا۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ اس نے ان دونوں بھائیوں کو خوب اولاد دی۔ چانگ اور اس کی بیوی ایڈیلیڈ کے دس بچے ہوئے جبکہ اینگ اور اس کی بیوی سارہ کے گیارہ۔ یہ سب بچے دو کے سوا بالکل صحت مند تھے البتہ دو بچے گونگے اور بہرے تھے۔

جنوری ۱۸۷۴ء میں چانگ یکا یک بیمار ہو گیا۔ اس کی یہ بیماری موت کا پیغام ثابت ہوئی۔ اسے کسی علاج سے فائدہ نہ ہوا اور وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کی موت کے نصف گھنٹے کے بعد اینگ پر بھی اعصابی دردوں وغیرہ کا سخت دورہ پڑا اور اسی دورے سے وہ بھی فوت ہو گیا۔ اس طرح دونوں بھائی ایک ہی دن دنیا سے چل بسے۔

وفات کے وقت دونوں کی عمر تریسٹھ برس کی تھی۔ ان کی لاشوں کے ڈاکٹری معائنے سے معلوم ہوا کہ ان کے اعصابی نظام الگ الگ تھے لیکن ان کا جگر اور دورانِ خون ایک دوسرے سے ملا ہوا (مشترکہ) تھا اور اگر آپریشن کے ذریعے علیحدہ کیا جاتا تو ان میں سے ایک بھی زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔

ان جڑواں بھائیوں کا معاملہ اس لحاظ سے اور بھی حیرت انگیز ہے کہ ان دونوں کے مزاج ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے۔ چانگ سخت کاہل، تندمزاج اور ضدی تھا جبکہ اینگ بہت خوش مزاج، ہنس مکھ، محنتی اور ذہین تھا۔ چانگ بلا کا شرابی تھا اور اینگ شراب کو چھوتا تک نہ تھا۔ صرف لکڑی کاٹنے، مچھلیاں پکڑنے

اور شکار سے وہ دونوں ایک جیسی دلچسپی رکھتے تھے۔ اس طرح کبھی ان میں صلح ہو جاتی تھی اور کبھی وہ ایک دوسرے سے بگڑ بیٹھے تھے جیسے تیسے' کبھی دھوپ اور کبھی چھاؤں میں' کبھی صلح اور کبھی ناراضی کی حالت میں زندگی کے پورے تریسٹھ سال گزار دیے اور اس طویل مدت میں وہ ایک دوسرے سے جڑے رہے اور ایک لمحہ کے لیے بھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہو سکے۔

انیسویں صدی عیسوی یہ ایک ایسا عجیب وغریب واقعہ ہے جس کی مثال شاید پوری انسانی تاریخ میں نہ ملے۔

* * *

حدیثِ نبوی ﷺ

(۱)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- اگر تم لوگوں کے عیبوں کی جستجو کرتے پھرو گے تو بجائے لوگوں کی اصلاح ہونے کے لوگ اور زیادہ خراب ہوں گے۔ (ابوداؤد)

حدیثِ نبوی ﷺ

(۲)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: سب لوگوں میں اللہ کے نزدیک وہ شخص بہتر ہے جو پہلے سلام کہے۔ (ابوداؤد)

غلام پہلوان

''پہلوان'' فارسی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی سُورما' طاقتور شہ زور اور کشتی لڑنے والے کے ہیں۔ جسمانی طاقت کو ہر زمانے میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جسمانی طاقت کو اپنی بہت بڑی نعمت قرار دیا ہے۔ ہمارے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ طاقتور مسلمان اللہ کے نزدیک کمزور مسلمان سے زیادہ اچھا اور پیارا ہے۔ دنیا میں قوت یا طاقت واقعی بہت اچھی چیز ہے اور یہ دین دنیا دونوں میں کامیابی کا ذریعہ بنتی ہے۔ قوت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان صحت کی حفاظت کے اصولوں پر عمل کرے۔ ورزش اور محنت پابندی سے کرے' ہر قسم کی نشہ لانے والی چیزوں اور بری عادتوں سے پرہیز کرے۔

پرانے زمانے میں جب بندوقیں توپیں وغیرہ ایجاد نہیں ہوئی تھیں' اسی شخص کو پہلوان کہا جاتا تھا جو بہت طاقتور ہو اور تلوار' نیزہ اور تیر وغیرہ جیسے ہتھیار خوب چلا سکتا ہو۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اور تیر تلوار نیزہ وغیرہ کی جگہ بندوق توپ بم وغیرہ نے لے لی' پہلوان صرف اسی شخص کو کہا جانے لگا جو بڑا شہ زور ہو اور کُشتی لڑنے میں مہارت رکھتا ہو۔ یوں تو بعض دوسرے ملکوں کی طرح برِصغیر پاک و ہند میں بھی کُشتی کا شوق صدیوں سے چلا آتا ہے لیکن گزشتہ دو صدیوں میں اس سرزمین میں چند ایسے نامی پہلوان پیدا ہوئے جن کی بے مثال شہ زوری نے دنیا

بھر میں اپنی دھاک بٹھا دی...... ان پہلوانوں میں ایک نام غلام پہلوان کا ہے جس کو انیسویں صدی کا سب سے بڑا پہلوان کہا جاتا ہے۔

غلام پہلوان کا پورا نام ''غلام محمد'' تھا۔ اس کا والد علیا پہلوان پنجاب کے شہر امرتسر کا رہنے والا تھا اور ہندوستان کی ایک ریاست جودھپور کے مہاراجہ کے ہاں سات روپیہ یومیہ پر ملازم تھا۔ ۱۸۶۴ء عیسوی میں علیا کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اس نے غلام محمد رکھا۔ یہی غلام محمد آگے چل کر ''غلام پہلوان'' کے نام سے مشہور ہوا۔ علیا کی دلی آرزو تھی کہ اس کا بیٹا بڑا ہو کر ایک زبردست پہلوان بنے چنانچہ اس نے بیٹے کی پرورش اور تربیت اس انداز سے کی کہ بارہ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے غلام محمد بڑے زور اور قد کاٹھ کا مالک ہو گیا۔ علیا جودھپور سے امرتسر آتا تو غلام محمد کو بھی اپنے ساتھ لاتا اور امرتسر کے تجربہ کار پہلوانوں سے اکھاڑے میں اس سے زور کرواتا۔ اس طرح غلام محمد کو بارہ سال کی عمر ہی میں کشتی کے فن میں بڑی مہارت حاصل ہو گئی۔ اسی سال (۱۸۷۶ء میں) علیا فوت ہو گیا۔ مہاراجہ جودھ پور کو اس کی وفات سے سخت صدمہ ہوا اور اس نے غلام محمد کو بلا کر علیا کی تنخواہ اس کے نام کر دی اور غلام محمد کی سرپرستی اور قدردانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اسی طرح دو ہی سالوں میں وہ ایک شہ زور پہلوان بن گیا اور غلام پہلوان کے نام سے مشہور ہو گیا۔

غلام پہلوان کی سب سے پہلی کُشتی ۱۸۷۸ عیسوی میں ملا ہانڈہ پہلوان سے ہوئی۔ اس وقت غلام پہلوان کی عمر صرف پندرہ سال کی تھی۔ اس کا مقابلہ ایک ایسے پہلوان سے تھا جو بڑا تجربہ کار اور قد کاٹھ، جسم اور طاقت ہر لحاظ سے غلام سے بڑھ چڑھ کر نظر آتا تھا لیکن جب کُشتی شروع ہوئی تو غلام نے دس منٹ کے اندر اپنے طاقتور حریف کو چاروں شانے چت کر دیا۔

غلام پہلوان کی دوسری کشتی فیروز پہلوان سے ہوئی۔ فیروز بڑا مشہور شہ زور پہلوان تھا۔ نوجوان غلام نے اسے بھی چند منٹ کے اندر گرالیا۔

اس کی تیسری کشتی چراغ پہلوان عالی والا سے ہوئی۔ چراغ ایک پرانا پہلوان تھا جو بے شمار داؤ پیچ جانتا تھا اور ملک کے نامی گرامی پہلوانوں کو ہرا چکا تھا۔ غلام پہلوان سے اس کی کشتی ۱۸۸۰عیسوی میں جودھپور میں ہوئی۔ اس کو دیکھنے کے لیے لوگ بڑی دور دور سے آئے۔ ان میں کئی ریاستوں کے راجے مہاراجے اور نواب بھی شامل تھے۔ غلام پہلوان نے اس نامی پہلوان کو بھی ایک گھنٹے کی سخت کوشش کے بعد زیر کرلیا اور اس کے ساتھ ہی سارے ملک میں غلام پہلوان کی شہرت کے ڈنکے بجنے لگے۔

۱۸۸۶عیسوی میں غلام مہاراجہ جودھ پور سے رخصت لے کر امرتسر آ گیا۔ ان دنوں کیکر سنگھ نام کے ایک نہایت شہ زور پہلوان نے بَرِّصغیر میں اپنی شہرت کے جھنڈے گاڑ رکھے تھے۔ وہ اٹاری ضلع امرتسر کا رہنے والا ایک جاٹ تھا۔ اس کا اصل نام تو پریم سنگھ تھا لیکن ایک دفعہ وہ اپنے کھیت سے کیکر (ببول) کا ایک بہت بڑا درخت کاٹ کر اکیلے ہی اپنے کندھے پر اٹھا کر لے آیا تھا اس لیے کیکر سنگھ کے نام سے مشہور ہوگیا۔ وہ گہرے سانولے رنگ کا ایک گرانڈیل' لمبے قد کاٹھ کا انتہائی طاقتور پہلوان تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں گینڈے کی سی طاقت اور شیر کی سی پھرتی تھی۔ مہاراجہ کشمیر نے اس کی بھاری تنخواہ مقرر کر رکھی تھی۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارے ملک میں کیکر سنگھ کی ٹکر کا کوئی پہلوان نہیں ہے۔ مہاراجہ کشمیر نے غلام پہلوان کی شہرت سنی تو اسے ۱۸۸۶ء میں جموں بلا بھیجا۔ غلام اپنے چند شاگردوں کے ساتھ امرتسر سے جموں پہنچا۔ وہاں ایک بہت بڑے دنگل کا انتظام کیا گیا تھا۔ اسے دیکھنے کے لیے ہزارہا لوگ جموں میں جمع ہو گئے۔ دنگل

شروع ہوا تو کیکر سنگھ ایک مست ہاتھی کی طرح چھلانگ لگا کر اکھاڑے میں اترا۔ اس کے مقابلے میں غلام آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا عاجزی کی تصویر بنا ہوا اکھاڑے میں آیا۔ غلام اور کیکر سنگھ کے قد کاٹھ اور جسم و جان میں بڑا فرق تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ کیکر سنگھ اس کو پیس کر رکھ دے گا لیکن کشتی شروع ہوئی تو لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہی غلام جو عاجزی کی تصویر بنا ہوا تھا' شیر ببر بن گیا اور کیکر سنگھ کو دھکیلتا ہوا اکھاڑے کے باہر لے گیا لیکن مہاراجہ کے حکم سے دونوں پھر اکھاڑے کے اندر آ گئے۔ دو گھنٹے تک دونوں ایک دوسرے کو گرانے کے لیے جان توڑ کوشش کرتے رہے آخر غلام نے ایک زوردار نعرہ لگایا اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ایک ایسا داؤ مارا کہ کیکر سنگھ چاروں شانے چت ہو گیا۔ تماشائیوں نے تعریف اور شاباش کے نعروں سے آسمان سر پر اٹھا لیا اور ہر طرف سے غلام پر پھولوں کی بارش ہونے لگی۔ مہاراجہ نے غلام کو بہت بھاری انعام دیا اور اسے اپنے پاس ملازم رکھ لیا لیکن سات ماہ کے بعد وہ اپنے پرانے مہربان مہاراجہ جودھپور کے بلانے پر جودھپور چلا گیا۔

۱۸۹۰ء عیسوی میں مہاراجہ کوچ بہار کی سرپرستی میں کلکتہ میں ایک عظیم الشان دنگل کا انتظام کیا گیا۔ اس میں برصغیر کے تمام بڑے بڑے پہلوانوں کو بلایا گیا۔ غلام پہلوان بھی کلکتہ پہنچا۔ اس دنگل کا سب سے بڑا انعام چاندی کا ایک گُرز تھا جس کی قیمت اس زمانے میں سولہ ہزار روپے کے لگ بھگ تھی۔ غلام لنگوٹ کس کر اکھاڑے میں اترا اور اس گُرز پر ہاتھ رکھ کر بلند آواز سے کہا:

"جو شخص مجھ سے کُشتی لڑنا چاہے وہ میدان میں آئے۔"

لیکن کسی کو اس کے مقابلے پر آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ پھر غلام نے للکار کر کہا:

"اگر ایک پہلوان مجھ سے کشتی نہیں لڑ سکتا تو دو آ جائیں اور دونوں مل کر میرے ساتھ کشتی لڑیں ورنہ اس انعام پر میرا حق ہوگا۔"

اب بھی کسی کو اس کے سامنے آنے کی ہمت نہ پڑی۔ چنانچہ ججوں نے اتفاق رائے سے انعامی گرز غلام کو دے دیا۔ اس کے چند دن بعد غلام کے مہربان مہاراجہ جودھپور نے وفات پائی اور غلام ہمیشہ کے لیے اپنے وطن واپس آ گیا۔

ان دنوں لاہور میں ایک زندہ دل ٹھیکے دار میاں صوبہ شیر فروش پہلوانوں کا بے حد قدردان تھا اور کبھی کبھی دنگل کراتا رہتا تھا۔

۱۸۹۵ء عیسوی میں اس نے شاہدرہ (لاہور) میں ایک عظیم الشان دنگل کرایا۔ اس میں سب سے بڑا جوڑ غلام پہلوان اور کیکر سنگھ کا تھا۔ ان کی کشتی دیکھنے ملک کے چپے چپے سے لوگ اس کثرت سے شاہدرہ آئے کہ محکمہ ریلوے کو اسپیشل گاڑیاں چلانی پڑیں۔ اس کشتی کا فیصلہ دس بارہ منٹ میں ہوگیا اور ججوں نے غلام کو فاتح (جیتنے والا) قرار دیا لیکن کیکر سنگھ کے حامیوں نے یہ فیصلہ تسلیم نہ کیا چنانچہ اگلے سال ۱۸۹۶ء میں لاہور میں پھر ایک بہت بڑا دنگل ہوا۔ اس میں غلام اور کیکر سنگھ ساڑھے تین گھنٹے تک ایک دوسرے سے زور آزمائی کرتے رہے۔ اس دوران میں کیکر سنگھ نے غلام کی انگلیاں چبا ڈالیں اور منصفوں نے کشتی چھڑا دی۔ اس طرح دنگل ہار جیت کے فیصلے کے بغیر ختم ہوگیا۔

۱۸۹۷ء میں ان نامی پہلوانوں کی آخری اور سب سے بڑی کشتی ریاست اندور میں ہوئی۔ مہاراجہ اندور نے ہزاروں روپے خرچ کر کے اس دنگل کا انتظام کیا۔ دنگل میں تقریباً دو لاکھ لوگوں کا مجمع تھا جس میں ملک کے ہر حصے کے لوگ شامل تھے۔ کشتی شروع ہوئی تو لوگوں میں اتنا جوش و خروش تھا کہ اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا۔

بیس منٹ کی زور آزمائی کے بعد غلام نے کیکر سنگھ کی پیٹھ زمین پر لگا دی۔ اس موقع پر لوگ پھولوں کی بارش کرنے کے ساتھ غلام کو شاباش دیتے نہیں تھکتے تھے۔ اس کے بعد کیکر سنگھ کو کبھی غلام کے مقابلے پر آنے کی ہمت نہ ہوئی۔

۱۸۹۸ء میں مہاراجہ پٹیالہ نے غلام پہلوان کو بلا بھیجا اور ملتان کے ایک مشہور پہلوان شاہ نواز سے اس کی کُشتی کرائی۔ غلام پہلوان نے سات منٹ میں شاہنواز کو گرا لیا اور مہاراجہ سے بھاری انعام حاصل کیا۔ اس کے بعد غلام نے مہاراجہ کے سامنے رسّہ کھینچ کر اس کو بتایا کہ اللہ نے اس کو کتنی طاقت عطا کی ہے۔ ایک طرف وہ اکیلا تھا اور دوسری طرف پندرہ نہایت طاقتور جوان تھے۔ غلام نے زور مارا تو یہ سارے جوان گھسٹتے ہوئے اس کی طرف آ گرے۔

۱۹۰۰ عیسوی میں پیرس (فرانس) میں ایک عالم گیر نمائش منعقد ہوئی۔ اس وقت کے مشہور کانگریسی لیڈر پنڈت موتی لال نہرو غلام پہلوان کو اس نمائش میں اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے نامی پہلوان جمع تھے۔ غلام نے سب کو چیلنج دیا کہ اس کے ساتھ کشتی لڑیں۔ ایک ترک پہلوان قادر احمد کے سوا کسی کو اس کا چیلنج قبول کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ قادر احمد تن و توش میں غلام سے کہیں بڑھ کر تھا لیکن کُشتی میں اس کی کچھ پیش نہ چلی اور اس نے ہار مان لی۔ یورپ امریکہ اور ترکی کے تمام مشہور اخباروں میں غلام کی شہ زوری کی بہت تعریف کی گئی۔ اس طرح دنیا بھر میں اس کی شہرت پھیل گئی۔ غلام جب وطن واپس آیا تو لوگوں نے اس کا اتنا شاندار استقبال کیا کہ کسی بڑے سے بڑے لیڈر کا بھی ایسا استقبال کبھی نہیں ہوا تھا۔

www.KitaboSunnat.com

چند ماہ بعد ۱۹۰۱ء میں غلام کی کُشتی بہار کے ایک نامی پہلوان سچیت سنگھ سے ہوئی۔ سچیت سنگھ کا قد سات فٹ سے بھی اوپر تھا اور اس کا وزن ساڑھے سات من

تھا۔ اس دیو جیسے پہلوان کو غلام نے صرف آٹھ منٹ میں چاروں شانے چت گرا دیا۔ اس فتح کے بعد غلام کلکتہ پہنچا اور اخبارات میں اشتہار دیا کہ کسی پہلوان کو میرے ساتھ کشتی لڑنے کی خواہش ہو تو وہ میرے مقابلے پر آئے۔ چنانچہ دنگل کی تاریخ مقرر ہوگئی لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ۲۰ مئی ۱۹۰۱ء کو غلام اکھاڑے سے ورزش کر کے اپنی قیام گاہ پر واپس آیا تو اس پر ہیضے کا شدید حملہ ہوا۔ ڈاکٹروں نے علاج میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن اس کا آخری وقت آ پہنچا تھا۔ کوئی علاج کارگر ثابت نہ ہوا اور شام کو سات بجے انیسویں صدی کا یہ سب سے بڑا پہلوان صرف ۳۷ سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کی موت کی خبر پھیلی تو سارے ملک میں کہرام مچ گیا۔ کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اس کی جواں مرگی پر نم نہ ہوئی ہو۔ مرحوم غلام پہلوان کو ۲۱ مئی ۱۹۰۱ء کو کلکتہ میں حاجی زکریا کے قبرستان میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ اس کے جنازے میں تیس ہزار لوگ شریک ہوئے۔ اس کی قبر کلکتہ میں آج بھی ''پیر پہلوان کی قبر'' کے نام سے موجود ہے۔

بے مثال شہ زوری اور دنیا بھر میں مشہور ہونے کے باوجود غلام پہلوان میں غرور یا خود پسندی نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ وہ بڑا خوش اخلاق اور ملنسار تھا۔ اکثر خاموش رہتا تھا اور نماز روزے کی سختی سے پابندی کرتا تھا۔ وہ ساری عمر کسی نشہ لانے والی چیز کے قریب تک نہ گیا۔ اس سے لوگ ٹوٹ کر محبت کرتے تھے اور اس کے اکھاڑے کی خاک تبرک سمجھ کر لے جاتے تھے۔

غلام پہلوان نے جو کارنامے سرانجام دیئے وہ اس کا نام اس وقت تک زندہ رکھیں گے جب تک پہلوانی اور کشتی کا فن باقی ہے۔

❀ ❀ ❀

جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے

۱۹۵۸ء عیسوی کے آخری دنوں کا ذکر ہے کہ یورپ کے چند ملاحوں نے بڑی بڑی مچھلیوں کے شکار کا پروگرام بنایا۔ وہ ستارہ مشرق نام کے ایک جہاز پر سوار تھے۔ انھوں نے دو کشتیاں جہاز سے سمندر میں اتاریں اور ان پر سوار ہو کر مچھلیوں کی تلاش میں مشغول ہو گئے۔ ان کو فاک لینڈ Falk land کے جنوبی جزیروں میں سمندر کے ساحل سے تقریباً تین میل دور ایک بڑی وہیل مچھلی نظر آئی۔ ان ملاحوں نے اپنی کشتیاں اس کے پیچھے لگا دیں اور اس کے قریب پہنچ کر اس پر لوہے کے وزنی کانٹے پھینکے۔ مچھلی نے زخمی ہو کر بھاگنے کی کوشش کی۔ جونہی وہ ایک طرف مڑی اس کی بارہ فٹ لمبی دم نے ایک کشتی کے پرخچے اڑا دیے۔ اس کشتی پر دو ملاح سوار تھے ایک تو آناً فاناً سمندر میں ڈوب گیا اور دوسری کو مچھلی نے نگل لیا۔ اس ملاح کا نام بارکلے تھا۔ دوسری کشتی والوں نے یہی سمجھا کہ تباہ ہونے والی کشتی کے دونوں سوار بھی کشتی کے ساتھ سمندر کی گہرائیوں میں غرق ہو گئے۔ لیکن انھوں نے مچھلی کا پیچھا نہ چھوڑا اور آخر اس کو شکار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ اس کو جہاز کے ساتھ باندھ کر ساحل پر لائے اور جہاز کے سارے آدمی کلہاڑوں سے اس مچھلی کی چیر پھاڑ میں مشغول ہو گئے۔ وہ سارا دن اس کام میں جتے رہے اور کچھ رات گئے تک بھی یہ کام جاری رکھا لیکن مچھلی کا بڑا

حصہ پھر بھی باقی رہ گیا۔ دوسرے دن صبح اٹھ کر وہ پھر اس کام میں مشغول ہو گیے۔ تھوڑی دیر کے بعد انہیں مردہ مچھلی کے پیٹ میں کچھ ہل چل محسوس ہوئی۔ انھوں نے خیال کیا کہ وہیل مچھلی کے پیٹ کے اندر کوئی چھوٹی شارک مچھلی ہے جسے وہیل مچھلی نے نگل لیا ہوگا اور اب وہ اس کے پیٹ سے باہر آنے کے لیے کوشش کر رہی ہے۔ ایک کے بجائے دو مچھلیوں کا مل جانا ان کے لیے بڑی خوشی کا باعث ہوتا لیکن جب انھوں نے وہیل مچھلی کا پیٹ چاک کیا تو یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گئے کہ وہیل مچھلی کے پیٹ میں شارک مچھلی کے بجائے ان کا ساتھی ملاح بارکلے تھا۔ وہ تیل اور چربی میں لتھڑا ہوا تھا اور بالکل بے ہوش تھا۔ ملاحوں نے اسے فوراً جہاز کے عرشے پر پہنچایا اور اس کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے۔ چند گھنٹوں کے بعد اسے ہوش تو آ گیا لیکن دماغ پر بہت برا اثر پڑا تھا اور سوچنے سمجھنے کی طاقت جواب دے گئی تھی۔ جہاز کے ہسپتال میں اس کا علاج ہوتا رہا اور کہیں دو ہفتے کے بعد اس کی حالت سدھرنی شروع ہوئی تیسرے ہفتے کے آخر میں اس کو پوری طرح ہوش آ گیا۔ اور جو کچھ اس پر بیتی تھی اس کا حال اس نے یوں بیان کیا:

جب میں سمندر میں گرا تو میں نے پانی میں ایسی آواز محسوس کی جو تیز ہوا کے چلنے سے پتوں وغیرہ کے اڑنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ آواز وہیل مچھلی کی دم ادھر ادھر مارے جانے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس آواز سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مجھے پانی کا دباؤ ایک جانب کھینچے لیے جا رہا ہے میرے لیے ہاتھ پاؤں ہلانا اور اس کھچاؤ سے بچنا ممکن نہ تھا۔ اس کے بعد میں یکا یک گہری تاریکی میں غرق ہو گیا اور یوں محسوس کیا کہ ایک نرم راستے سے گزر رہا ہوں جس میں حد درجہ پھسلن تھی۔ یہ کیفیت دو تین سیکنڈ رہی مجھے محسوس ہوا کہ میں کافی کھلی جگہ پہنچ گیا ہوں

جس کے ارد گرد دیواریں کھڑی ہیں۔ میں نے انہیں ہاتھ سے چھوا تو وہ بہت ہی نرم اور چکنی تھیں۔ یہاں اندھیرا ہی اندھیرا تھا جس سے باہر نکلنے کا سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا لیکن یہ عجیب بات تھی کہ میں سانس لے سکتا تھا۔ سانس لیتے وقت یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایک خاص قسم کی حرارت میرے جسم کے اندر داخل ہوجاتی ہے۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا تھا۔ میں کمزور ہوتا جارہا تھا۔ یہاں تک کہ میں بے ہوش ہوگیا۔ جب مجھے ہوش آیا اور میری آنکھیں کھلیں تو میں نے اپنے آپ کو (جہاز کے) کے کپتان کے کمرے میں پایا"۔

"ستارۂ مشرق" جہاز جب وطن پہنچا تو بار کلے کو ایک اعلیٰ درجے کے ہسپتال میں داخل کرادیا گیا جہاں چند دن کے اندر اس کی صحت پوری طرح بحال ہوگئی اور وہ چاق چوبند ہوگیا۔ اس واقعہ کی خبر جب اخبارات میں شائع ہوئی تو ساری دنیا میں شور مچ گیا اور لوگ دور دور سے بار کلے سے ملنے کے لیے آنے لگے۔ ان میں جہاں اس واقعہ کو انتہائی حیرت انگیز قرار دیا گیا وہاں یہ بھی تسلیم کیا گیا کہ حضرت یونس علیہ اسلام کے بارے میں جو واقعہ قرآن مجید اور دوسری آسمانی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے وہ بالکل صحیح ہے اور اس میں اس کسی قسم کا شک کرنا ٹھیک نہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ بھی بیان کر دیا جائے حضرت عیسیٰ مسیح سے کوئی آٹھ سو سال پہلے ملک عراق کے شمال میں "اشور" نام کی ایک قوم آباد تھی اس قوم کا سب سے بڑا شہر نینوا تھا جو میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ اس قوم کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی نعمتیں عطا کی تھیں لیکن وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو بھلا بیٹھے تھے اور بتوں کو پوجنا شروع کر دیا تھا وہ اور بھی طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا ہوگئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے حضرت یونس علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ حضرت یونس علیہ السلام سالہا سال تک اپنی قوم کو سمجھاتے رہے کہ ایک اللہ

کو مانو، بتوں کو مت پوجو اور ان کاموں سے باز آجاؤ جن سے اللہ نے منع کیا ہے مگر ان لوگوں نے حضرت یونس علیہ السلام کی کوئی بات نہ مانی بلکہ الٹا ان کے خلاف الٹی سیدھی باتیں بنانے لگے۔ آخر حضرت یونس علیہ السلام نے ان کی ضد سے تنگ آکر اللہ سے ان پر عذاب بھیجنے کی دعا کی اور پھر ان لوگوں کو بتایا کہ آج سے تیسرے دن اللہ کی نافرمانی کی سزا تم کو اس کے عذاب کی صورت میں ملے گی۔

وہ ان سے خفا ہو کر تیسرا دن آنے سے پہلے اللہ کے حکم کا انتظار کیے بغیر آدھی رات کو شہر سے نکل کھڑے ہوئے۔ ان کے شہر سے نکل جانے کے بعد قوم کو یقین ہو گیا کہ اللہ کا عذاب ان پر ضرور آئے گا اور وہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔ انھوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کیا مگر جب وہ ان کو نہ ملے تو وہ سب اپنے بال بچوں اور مویشیوں کو ساتھ لے کر روتے دھوتے شہر نینوا سے باہر نکل کر صحرا میں آگئے اور رو رو کر سچے دل سے توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ کو ان پر رحم آگیا اور اس رحیم و کریم نے ان کی توبہ قبول کر لی اور یوں ان کے سر سے عذاب ٹل گیا۔ ادھر حضرت یونس علیہ السلام شہر سے نکل کر دریائے فرات کے کنارے پہنچے اور اسے پار کرنے کے لیے دوسرے لوگوں کے ساتھ ایک کشتی پر سوار ہو گئے۔ جب کشتی دریا میں کچھ دور گئی تو ہچکولے کھانے لگی کیونکہ اس میں گنجائش سے زیادہ مسافر سوار تھے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے ہچکولے کھانے کی وجہ یہ تھی کہ طوفانی ہواؤں نے کشتی کو آلیا تھا۔ کشتی والوں نے اپنے عقیدے کے مطابق خیال کیا کہ کشتی کے ہچکولے کھانے کی وجہ یہ ہے کہ کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگ کر کشتی میں سوار ہو گیا ہے جب تک وہ کشتی سے نہیں اترے گا کشتی کے ڈوبنے کا خطرہ رہے گا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے ان لوگوں کی باتیں سنیں تو ان کے دل میں خیال آیا کہ وہ غلام تو میں ہوں جو اپنے رب کے حکم کا انتظار کیے بغیر شہر سے

نکل کھڑا ہوا۔ یہ خیال آتے ہی انھوں نے دریا میں گرانے کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا لیکن کشتی والے ان کو دریا میں گرانے پر تیار نہ ہوئے۔ آخر قرعہ ڈالا گیا تو حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا پھر دوسری اور تیسری بار قرعہ ڈالا گیا تو تب بھی ہر بار حضرت یونس علیہ السلام ہی کا نام نکلا۔ اب رہ دریا میں ڈال دیے گئے۔ اللہ کی قدرت جونہی وہ دریا میں ڈالے گئے ایک بہت بڑی مچھلی نے ان کو نگل لیا۔ انھوں نے مچھلی کے پیٹ کے اندر جا کر یہ دعا پڑھنی شروع کر دی۔

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ اِنِّىۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ

یعنی اے اللہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو پاک ہے بے شک میں قصور وار ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی اور اس کے حکم کے مطابق مچھلی نے ان کو زندہ سمندر کے ساحل پر اگل دیا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ساحل پر ان کو ایک بیلدار درخت کا سایہ مل گیا۔ اس درخت کے پتے سایہ کا اور پھل خوراک کا کام دیتے تھے۔ جلد ہی ان کی کمزوری اور بیماری جاتی رہی جو مچھلی کے پیٹ میں جانے کی وجہ سے ان کو ہو گئی تھی۔ پھر وہ اپنی قوم کے پاس واپس آ گئے۔ اب ان کی قوم بالکل سدھر گئی تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ پر بھی ایمان لے آئی تھی اور حضرت یونس علیہ السلام کو بھی اللہ کا سچا نبی مان لیا تھا۔ ایمان لانے کے بعد یہ قوم کافی عرصہ تک اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے سیدھے راستے پر قائم رہی۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انھیں ہر قسم کی نعمتیں پہلے سے بھی بڑھ کر عطا کیں۔ یہ دنیا کی ایک ہی ایسی قوم گزری ہے جس پر سے اللہ کا عذاب ٹل گیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے لمبے تک اسے زندگی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا۔

قرآنِ پاک میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر چھ سورتوں میں آیا ہے ان سورتوں کے نام یہ ہیں۔

(ان میں ایک سورۃ خود حضرت یونس علیہ السلام کے نام پر ہے۔)

۱۔ النّساء	آیت ۱۶۳
۲۔ الانعام	آیت ۸۶
۳۔ یونس	آیت ۹۸
۴۔ الانبیاء	آیت ۸۷۔۸۸
۵۔ الصّٰفّٰت	آیت ۱۳۹ تا ۱۴۸
۶۔ القلم	آیت ۴۸ تا ۵۰

حضرت یونس علیہ السلام کو قرآنِ پاک میں ذُوالنُّون اور صاحِبُ الحُوت بھی کہا گیا ہے۔ ذوالنون اور صاحب الحوت دونوں کے معنی ہیں مچھلی والا۔ یہ لقب ان کو مچھلی والے واقعہ کی وجہ سے ملے۔

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بیمار کی بیمار پرسی کرے تو اس کو یوں فرماتے' کوئی فکر کی بات نہیں' اللہ چاہے تو تو اچھا ہو جائے گا۔ (صحیح بخاری)

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں' آپؐ نے ارشاد فرمایا: اللہ اس مسلمان سے محبت کرتا ہے جو کوئی محنت کر کے روزی کماتا ہے۔ (ترغیب بحوالہ طبرانی)

پیارے رسولِ پاک پر دُرُود اور سلام

یہ جون ۱۹۹۹ء کا واقعہ ہے کہ برطانیہ کے شہر مانچسٹر میں واقع لڑکیوں کے ایک اہم سکول لیون شلم ہائی سکول (LEVENSHULME HIGH SCHOOL) میں تقریری مقابلہ ہو رہا تھا۔ موضوع تھا۔ ''مشہور مذہبی شخصیات'' (FAMOUS RELIGIOUS PERSONS) اس موضوع پر ایک بچی نے اپنی تقریر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے بارے میں کی۔ تقریر کے دوران میں جب بھی لفظ محمد ﷺ آتا وہ غیر ارادی طور پر اس کے ساتھ ''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' نہ کہتی۔ اس مجلس میں صبا حسین چودھری نامی ایک غیرت مند لڑکی بھی موجود تھی۔ اس کو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری عقیدت اور محبت تھی۔ اس نے ایک دو مرتبہ تو دل کڑا کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک نام بغیر درود و سلام کے سنا لیکن پھر اس سے برداشت نہ ہو سکا اور وہ یکا یک اٹھ کھڑی ہوئی اور زوردار الفاظ میں پکارنا شروع کر دیا۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہال میں سناٹا چھا گیا۔ سکول کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کسی نے نظم وضبط (ڈسپلن) کی خلاف ورزی کی تھی۔ صبا کو فوراً ہال سے نکال دیا گیا۔ سکول کے یہودی اور عیسائی استادوں (معلّمین) اور ماہرینِ نفسیات پر مشتمل ایک بورڈ نے صبا حسین سے بہت سے سوالات کیے اور اس سے پوچھا کہ اس نے کیوں

یہ حرکت کی۔ صبا نے ہچکیوں اور سسکیوں کے ساتھ (روتے ہوئے) جواب دیا کہ جب کوئی شخص (جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے) ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاک نام لے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اس کے ساتھ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور کہے۔ میں اس معاملے میں کسی سے کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتی۔ رسولِ پاک ﷺ کا پاک نام سن کر صلی اللہ علیہ وسلم (یا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے الفاظ کہنا (یعنی حضور ﷺ پر درود اور سلام بھیجنا میرا دینی اور ایمانی حق اور فرض ہے۔ اس حق کے ادا کرنے سے مجھے نظم و ضبط (ڈسپلن) کے نام پر نہیں روکا جا سکتا۔ اسلام کی اس غیرت مند بیٹی کا جواب سن کر کالج کی انتظامیہ نے مزید کوئی کارروائی کرنا مناسب نہ سمجھا اور معاملہ وہیں ختم ہو گیا۔

(شہیدانِ ناموسِ رسالت مؤلف جناب محمد متین خالد سے ماخوذ معمولی تصرف کے ساتھ)

* * *

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، اس کی دس خطائیں معاف فرماتا ہے اور اس کے دس درجے بلند کرتا ہے۔ (طبرانی)

کتابیات

اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں جن کتابوں اور رسالوں سے استفادہ کیا گیا ہے، ان کے نام یہ ہیں:

۱-	سِیرۃُ النّبی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ
۲-	مَعارفُ الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانیؒ
۳-	اُسدُالغابہ	ابنِ اثیرؒ
۴-	تاریخِ فرشتہ	ابوالقاسم فرشتہ
۵-	دیواریں اور غاریں	حافظ نذر احمد صاحب
۶-	فوز و سعادت کے ایک سو پچاس چراغ	طالب الہاشمی
۷-	قصص الاسلام	ایس ایم حمید پانی پتی
۸-	حکایاتِ صوفیہ	طالب الہاشمی
۹-	زبورِ خیال	ابوالامتیاز ع س مسلم
۱۰-	شہیدانِ ناموسِ رِسالت	جناب محمد متین خالد

ان کے علاوہ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور، ہمدرد صحت ڈائجسٹ کراچی، ماہنامہ ہمدرد صحت کراچی، ماہنامہ کوثر لاہور، ماہنامہ خطیب لاہور، ماہنامہ سکھی گھر لاہور، ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک، ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور اور ہفت روزہ زندگی لاہور سے بھی مدد لی گئی ہے۔

نبی کریم ﷺ کے عزیز و اقارب

مصنف: محمد اشرف شریف' ڈاکٹر اشتیاق احمد قیمت: 175 روپے

☆ رسول کریم ﷺ کے عزیز و اقارب کی 20 پشتوں کا تعارف ☆ کیا نبی کریم ﷺ کے عزیز و اقارب کو آپ کی نبوت کا علم تھا؟ ☆ نبی کریم ﷺ کے گیارہ چچا اور چھ پھوپھیوں کا مفصل تعارف ☆ آپ کے سسرالی قرابت دار کون کون تھے؟ آپ کی اولاد' داماد اور نواسے' نواسیاں کتنے ہیں؟ ☆ رسول کریم ﷺ کے عزیز و اقارب بارے مستند بیانات اور بے شمار حوالے جو آپ تلاش کر رہے ہیں۔ اس کتاب میں موجود ہیں۔

طٰہٰ پبلی کیشنز

22-A جلال دین (وقف) بلڈنگ چوک اُردو بازار لاہور فون: 7231391

خونیں تحریکیں

مصنف: اظہر امرتسری قیمت: 150 روپے

اسلام کی چہاردہ صد سالہ تاریخ میں بے شمار تحریکوں کا ذکر ملتا ہے جو اپنے اپنے وقت میں ملوکیت کے خلاف اٹھیں اور بادشاہت کے قصر سے ٹکرا کر اپنا غیر فانی اثر دنیا میں چھوڑ گئیں ان میں بعض نہایت اہم تحریکوں علویہ' عباسیہ' باطنیہ' قرامطیہ' مہدویہ' صلاحیہ' وہابیہ اور کاذبیہ شامل ہیں۔ ان تحریکوں میں کاذبیہ کے سوا باقی سب کی سب ملوکیت کے خلاف اٹھیں اور دنیا کی فضا کو جمہوریت' مساوات اور حریت کی صداؤں سے لبریز کر گئیں۔

تاریخ اور اسلامی تحریکات کے مطالعہ کا ذوق رکھنے والے اصحاب اس کتاب کو حقیقی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کتاب کا اندازِ بیان شروع سے آخر تک مؤرخانہ ہے۔

طٰہٰ پبلی کیشنز

22-A جلال دین (وقف) بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور فون: 7231391

ہماری مقبول مطبوعات

خُلقِ خیرِ الخلائق ﷺ
طالب الہاشمی

نبی کریم ﷺ کے عزیز و اقارب
محمد اشرف شریف ۔ ڈاکٹر اشتیاق احمد

یہ تیرے پُراسرار بندے
طالب الہاشمی

سیرت
حضرت سعدؓ بن ابی وقاص
طالب الہاشمی

سیرت
حضرت عبداللہ بن زبیر
طالب الہاشمی

سیرت
حضرت ابو ہریرہ
طالب الہاشمی

سیرت
میزبان رسول
حضرت ابو ایوبؓ انصاری
طالب الہاشمی

سلطانؒ نور الدین محمود زنگیؒ
طالب الہاشمی

خونیں تحریکیں
اظہر امرتسری

برصغیر میں صحابہ کرامؓ
اکبر علی خان قادری

قسمت کا سکندر
اور
دوسری کہانیاں
طالب الہاشمی

علم بڑی دولت ہے
اور
دوسری کہانیاں
طالب الہاشمی

ISBN 969-8810-13-7
9789698810139

طٰہٰ پبلی کیشنز
اُردو بازار لاہور
فون: 8488708, 7231391
0333-4470509

۸
ط